ابنِ صفی

جلد نمبر
13

جاسوسی دنیا

39- اندھیرے کا شہنشاہ

40- پُراسرار وصیت

41- موت کی چٹان

جاسوسی دنیا نمبر 41

موت کی چٹان

(مکمل ناول)

پیش رس

''موت کی چٹان'' ملاحظہ فرمایئے۔ یہ بتانا دشوار ہے کہ یہ اس کتاب کا کونسا ایڈیشن ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کئی بار چوری چھپے دوسروں نے بھی اسے غیر قانونی طور پر چھاپا ہے۔

جیرالڈ شاستری کی پہلی کہانی ''جنگل کی آگ'' بہت زیادہ پسند کی گئی تھی اور نئے پڑھنے والے آج بھی اس کی تلاش میں رہتے ہیں۔

ادھر پڑھنے والوں کا اصرار کہ پیشرس بھی ''لذیذ'' ہونا چاہئے۔ مگر پیشرس میں تو میں خود ہی ''مرغا'' بن کر دکھاؤں تو آپ کو ہنسی آئے گی۔ کیونکہ پیشرس میں میرے علاوہ اور کون ہوتا ہے!

تو اب میری سنئے......آج کل اس دشواری سے دوچار ہوں کہ ''تصویر'' سے تو ان کی شکل نہیں ملتی۔''

گذارش ہے کہ تصویر سفید کاغذ پر چھپتی ہے اور جب میں اس کے برعکس نظر آتا ہوں تو آپ کو میری شکل ہی نہیں سجھائی

دیتی۔"

ایک صاحب نے مشورہ دیا تھا ریوالور لٹکا کر نکلا کیجئے۔ اس طرح آپ کم از کم جاسوسی ادیب تو معلوم ہوسکیں گے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس مشورے کی روشنی میں غیر جاسوسی ادیبوں کو کان پر قلم رکھ کر گھر سے باہر نکلنا چاہئے۔

بھائی کیا یہ ضروری ہے کہ روزانہ زندگی میں بھی آدمی ادیب معلوم ہو۔ یقین کیجئے ایسے لوگ سب کچھ ہو جاتے ہیں لیکن آدمی بالکل نہیں رہتے۔ لہٰذا مجھے اس مشورے سے معاف رکھئے میں تو عام حالات میں عام آدمیوں جیسی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

مجھے میری کتابوں میں تلاش کرنے کی عادت ڈالئے......
وہیں ملوں گا...... بالمشافہ قسم کی ملاقات پر آپ یقیناً مایوس ہوں گے۔

والسلام

ابن صفی

ایک سازش

ہائی سرکل نائٹ کلب میں حسب معمول کافی رونق تھی۔ یہ شہر کے اونچے طبقے کے لوگوں کا نائٹ کلب تھا۔لیکن کرائم رپورٹر انور جیسے لوگوں پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ شہر کے سارے اخباروں کے رپورٹروں کی وہاں تک رسائی تھی۔انور کا معاملہ دوسرا تھا۔ نائٹ کلب کا منیجر اس سے اس درجہ خائف رہتا تھا کہ اس نے آج تک اس کی ممبر شپ کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔اور خوف کی وجہ یہ تھی کہ انور کے ہاتھ میں اس کی بعض دکھتی رگیں تھیں جنہیں وہ اکثر چھیڑتا رہتا تھا۔مگر اس حد تک بھی نہیں کہ معاملہ پولیس کے ہاتھوں جا پہنچتا۔

انور روزمرہ کے آنے والوں میں سے نہیں تھا لیکن جب بھی وہ کلب میں دکھائی دیتا منیجر کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔وہ بھی کم از کم انور کے عادات واطوار سے تو واقف ہی تھا۔اچھی طرح جانتا تھا کہ انور کو نائٹ کلب کی تفریحات سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔لہٰذا آج جب اس نے انور اور رشیدہ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور وہ چپکے سے اس کمرے میں گھس گیا جہاں ناجائز طور پر نہایت اعلیٰ پیمانے پر جوا ہوتا تھا۔اس نے وہاں کے منتظم کو ضروری ہدایات دیں اور پھر ہال میں آ گیا۔انور اور رشیدہ ایک خالی میز پر بیٹھ چکے

تھے۔ وہ ان کی طرف بڑھا۔

''جاؤ...... جاؤ......!'' انور ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''ہم تھک کر یہاں آ بیٹھے ہیں......تم کافی مشغول ہو گے۔''

''پھر بھی! میرے لائق کوئی خدمت...... بقول شاعر......!''

لیکن انور نے اُسے شعر نہیں پڑھنے دیا۔

''آج کل شعر سنتے ہی مجھے غصہ آ جاتا ہے۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''آپ کی مرضی......!'' منیجر مسکرا کر کنکھیوں سے رشیدہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف واپس چلا گیا۔

''تم کیوں آئے ہو یہاں؟'' رشیدہ نے انور سے پوچھا۔

''بزنس......!'' انور مسکرا کر بولا۔ ''مجھے نائٹ کلبوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''کس قسم کا بزنس......!''

''کان نہ کھاؤ......!'' انور جھنجھلا کر بولا۔ ''آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔''

''لیکن میں تمہیں کوئی ایسی حرکت نہ کرنے دوں گی۔''

''کیسی حرکت......!'' انور اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولا۔

''دیکھو!'' مجھے اس طرح آنکھیں نکال کر نہ دیکھا کرو...... سمجھے۔'' رشیدہ بھی گرم ہو گئی۔

خلاف توقع انور نے بات نہیں بڑھائی۔ وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

''میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ اب اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کروں گا۔''

''بہت خوب...... لیکن کیوں؟''

''اس لئے کہ میں تم سے قرض لے کر واپس نہیں کرتا...... اور یہ بہت بُری بات ہے......'' انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

''لیکن یہاں تم کیا کرو گے۔'' اس نے پوچھا۔

''اس آدمی کو پہچانتی ہو۔'' انور نے ایک بوڑھے اور نحیف الجثہ آدمی کی طرف اشارہ کیا

جو اپنی میز پر تنہا بیٹھا ہوا شامپین کی چسکیاں لے رہا تھا۔

''شاید......!'' رشیدہ سر ہلا کر بولی۔ ''یہ مشہور کروڑ پتی صمدانی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ''پچھلے سال میں نے اس کے لئے ایک کام کیا تھا اور اس سے مجھے ایک بھاری رقم معاوضے میں ملی تھی۔''

وہ چند لمحے کے لئے خاموش ہوگیا پھر مسکرا کر بولا۔ ''آخر اب مجھ سے کوئی کام کیوں نہیں لیتا۔''

''انتہائی احمقانہ سوال ہے؟'' رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ اسے ہمیشہ اس قسم کی ضرورتیں پیش آتی رہیں۔''

''آنی پڑیں گی۔'' انور میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ ''اسے مجھ سے کام لینا ہی پڑے گا۔ اگر نہیں لے گا تو کیا پھر میں فاقے کروں گا؟''

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

''نہیں وہ آج کل ایورسٹ کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ تم بکواس بند کرو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُسے سنو۔ پچھلے سال مجھے اس سے اتنی رقم ملی تھی کہ میں نے چھ ماہ تک عیش کئے تھے۔''

''مجھے یاد ہے......'' رشیدہ نے کہا۔ ''لیکن تم کرو گے کیا؟''

''درمیان میں بولو مت...... سنتی جاؤ...... صمدانی بڑا ڈرپوک آدمی ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی محنت کریں تو بہت کچھ پیدا کر سکتے ہیں۔''

''بلیک میلنگ......!'' رشیدہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''ہرگز نہیں...... میں شریف آدمی ہوں۔ بس اسے تھوڑا سا خائف کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ سیدھا میرے پاس دوڑا چلا آئے گا۔''

''آخر کس طرح......!''

''بہت آسانی سے......'' انور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگا کر بولا۔ ''اسے کوئی خوفناک چہرہ دکھایا جائے۔''

''شاید تم نشے میں ہو۔'' رشیدہ ہنسنے لگی۔

''تم باز نہیں آؤ گی۔'' انور جھلا کر بولا۔ ''میں کہتا ہوں چپ چاپ سنو۔''

''سناؤ......!'' رشیدہ نے شانوں کو جھٹکا دے کر کہا۔

''کوئی آدمی مستقل طور سے اس کا تعاقب شروع کر دے۔ بس وہ بوکھلا کر مجھے طلب کرے گا۔''

''تم نے کوئی بہت ہی گھٹیا قسم کا نشہ پیا ہے۔'' رشیدہ پھر ہنسنے لگی۔ ''بھنگ یا چرس تو نہیں پی گئے۔''

''تمہارا خون پیوں گا۔'' انور دانت پیس کر بولا۔

''ایک اُلو اور تم میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔'' رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ایسی صورت میں وہ پولیس کی مدد حاصل کرے گا یا تمہارے پاس دوڑا آئے گا۔''

''تم اسے نہیں سمجھ سکتیں......وہ پولیس سے دور ہی رہے گا۔''

''آخر کیوں؟ کوئی وجہ؟''

''پچھلے سال والا معاملہ سو فیصدی پولیس کیس تھا۔ لیکن اس نے پولیس کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ اس کی بجائے میری خدمات حاصل کی تھیں۔''

''میں وجہ پوچھ رہی ہوں اور تم واقعہ دہرا رہے ہو۔''

''اس کے آدمی سونے کی اسمگلنگ کرتے ہیں۔ اس لئے وہ پولیس سے دور ہی رہتا ہے۔ اسی اسمگلنگ کے سلسلے میں اس کے کئی حریف ہیں جو اسے زک دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اگر کسی پراسرار آدمی نے اس کا تعاقب کیا تو وہ اسے اپنے کسی حریف ہی کی حرکت سمجھے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتا۔''

''لیکن یہ تو سراسر اُسے دھوکا دے کر لوٹنا ہوگا۔'' رشیدہ نے کہا۔

''پھر تمہیں اخلاقیات کا ہیضہ ہوا۔'' انور چڑھ کر بولا۔ ''یہ بتاؤ کہ اب تک اس نے کتنے کو لوٹا ہوگا۔ یہی نہیں اسمگلنگ کا مطلب تو حکومت کو دھوکہ دینا ہے۔''

''تو پھر تم میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہئے کہ تم حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کراؤ۔''

''یعنی میں خود اپنے ہتھکڑیاں لگواؤں۔'' انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''کیا تمہیں اس ایماندار رنگروٹ سب انسپکٹر کا واقعہ یاد نہیں جس نے سیٹھ رنگومل کو دواؤں کی بلیک مارکیٹنگ کرتے پکڑا تھا۔ کیا نتیجہ ہوا...... اس بے چارے پر رشوت ستانی کا مقدمہ چل گیا۔ حالانکہ وہ بڑا ایماندار آدمی تھا۔ ویسے اس نے ایک بہت بڑا جرم کیا تھا کہ یہاں کے ایک حاکم کے منظور نظر سیٹھ رنگومل کو بلیک مارکیٹنگ کرتے پکڑ لیا۔''

''کچھ بھی ہو...... میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔''

''تم میں رائے دینے کی صلاحیت ہی نہیں۔ میں تو تم سے صرف ایک کام لینا چاہتا ہوں۔''

''مجھ سے......؟'' رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

''میں تمہیں اس کا تعاقب کرنے کو نہیں کہوں گا۔''

''پھر......؟''

''قاسم کو پھانسو......!''

''تعاقب کے لئے...... کہیں سچ مچ تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ صمدانی اسے پہچانتا ہوگا۔ وہ بھی تو شہر کے ایک بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔''

''میں جانتا ہوں...... لیکن صمدانی اُسے پہچان نہیں سکے گا۔''

''کیسے......؟''

''میک اپ...... اگر وہ اسے پہچان جائے تو میں ڈاڑھی رکھ لوں گا۔''

''قاسم اس کے لئے ہرگز تیار نہ ہوگا۔''

''ہو جائے گا۔'' انور خود اعتمادانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''تم اس سے کہہ کر بھی تو دیکھو بس تمہیں ذرا سا اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنا پڑے گا۔''

''نہیں میں یہ نہیں کر سکتی۔''

''تم کرو گی۔'' انور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''ساڑھے سات

بجے ہیں۔ صمدانی یہاں عموماً گیارہ بجے تک بیٹھتا ہے۔ قاسم تمہیں آرلکچنو میں مل جائے گا۔ اگر وہ تیار ہوجائے تو مجھے فون کر دینا...... اور پھر اسے ساتھ لے کر گھر چلی جانا۔ میں وہیں پہنچ جاؤں گا۔ لیکن ہاں اس کا خیال رکھنا کہ اس کی بھنک بھی حمید کے کان میں نہ پڑنے پائے۔ مطلب یہ کہ اگر اس کے ساتھ حمید بھی ہو تو تم چپ چاپ واپس چلی آنا۔"

"دیکھو...... مجھے پریشان مت کرو۔" رشیدہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں اس چکر میں پڑنا پسند نہ کروں گی۔ لیکن تم نے اس کام کے لئے قاسم ہی کو کیوں منتخب کیا ہے۔"

"قاسم کے علاوہ اور کون تیار ہوگا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ تیار ہوجائے گا۔"

"ضرور......!" انور نے مسکرا کر ایک آنکھ دبالی۔ "محض اس لئے تیار ہوجائے گا کہ تم اس سے کہو گی۔"

"میں سمجھی...... تمہیں شرم نہیں آتی۔"

"نہ تم میری بیوی ہو اور نہ محبوبہ! ہم صرف دوست ہیں۔ پھر شرم کس بات کی۔ میں تمہیں مرد سمجھتا ہوں...... سمجھیں۔"

"ہزار بار دہرا چکے ہو......" رشیدہ بیزاری سے بولی۔ "میں یہ نہیں کر سکتی۔"

انور اور رشیدہ میں بحث چھڑ گئی۔ دونوں ساتھ رہتے تھے اور انور اس پر پوری طرح حاوی تھا لیکن دونوں کے تعلقات ایسے نہیں تھے جن پر جنسی تعلقات کا اطلاق ہوسکتا۔ رشیدہ جانتی تھی کہ انور جس بات پر اڑ جاتا ہے اسے کر ہی کے چھوڑتا ہے۔ وہ ایک الگ فلسفہ زندگی رکھتا تھا جس میں اخلاقیات کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ اپنے کسی فعل کو توڑ مروڑ کر اخلاقیات کے ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا۔"

دس پندرہ منٹ تک دونوں ایک دوسرے سے الجھے رہے پھر رشیدہ کچھ نرم پڑ گئی۔ شکست بہرحال اسی کی ہونی تھی۔

"لیکن قاسم حمید سے اس کا تذکرہ ضرور کرے گا۔ دونوں گہرے دوست ہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"ہرگز نہیں......اگر تم اسے منع کردو گی تو ملک الموت بھی اُسے اس کے تذکرے پر آمادہ نہ کرسکے گا۔ اُس کے ٹائپ سے بخوبی واقف ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد رشیدہ باہر نکلی، اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور آرلکچو کی طرف روانہ ہوگئی۔

اس دوران میں قاسم نے بڑی شدت سے ہوٹل بازی شروع کررکھی تھی اور خاص طور سے آرلکچو میں بیٹھا کرتا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ ایک دن آرلکچو کی کاؤنٹر کلرک اس کی کسی بات پر بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ وہ ایک صحت مند اور قبول صورت اینگلو انڈین لڑکی تھی۔ چونکہ اس کا تعلق ایک ہوٹل سے تھا اس لئے اس کا انداز ہر ایک سے فلرٹ کا سا رہتا تھا۔ بہرحال قاسم کو غلط فہمی ہوگئی تھی اور وہ آرلکچو میں بلاناغہ آنے لگا تھا۔ روز ہی اس لڑکی سے دو چار باتیں ہوجاتی تھیں...... حقیقت تو یہ ہے کہ قاسم میں اظہار عشق کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ وہ تو بس توقع پر زندہ تھا کہ کسی دن کوئی لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے گی۔

"پیارے مجھے تم سے پریم ہوگیا ہے۔"

لیکن آج وہ بہت اداس تھا...... کیونکہ کاؤنٹر کلرک غیر حاضر تھی۔ وہ ایک میز پر تنہا بیٹھا غم ہجراں میں ایک مرغ مسلم کی مرمت کررہا تھا۔ وہ اس کی مخصوص میز تھی۔ ہوٹل کے سارے بیرے اسے اچھی طرح پہچان گئے تھے۔ کیونکہ وہ بے تحاشہ کھاتا تھا اور رخصت ہوتے وقت سروس کرنے والے ویٹر کو بھاری ٹپ دیتا تھا۔

قاسم نے رشیدہ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ لیکن اُسے بھول کر بھی یہ خیال نہیں آسکتا تھا کہ وہ اس کی طرف آئے گی۔ کیونکہ اُن دونوں میں محض رسمی سا تعارف تھا۔ لہٰذا جب اس نے اسے اپنی میز کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کا دل ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دھڑکنے لگا۔ ہونٹ خشک ہوگئے اور حلق میں پھندا سا پڑ گیا۔

رشیدہ اس کی میز کے قریب پہنچ کر مسکرائی۔ قاسم بھی جواباً مسکرایا لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے

کسی نے اس کے دہانے کے گوشوں میں انگلیاں ڈال کر کھینچ دیا ہو۔

''تر رر......تر شیف......تشریف رکھئے۔'' قاسم نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹھئے......بیٹھئے......'' رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے کہا اور قاسم بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ اس نے مرغ مسلم کو اب بھی دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا اور اس کے ہونٹوں اور ٹھوڑی میں مسالہ لگا ہوا تھا۔ ہاتھ بھی ملوث تھے اس ہیئت کذائی میں۔ دیکھ کر رشیدہ نے بدقت اپنی ہنسی ضبط کی۔

''اے......!'' قاسم نے بوکھلا کر ویٹر سے کہا۔ ''ایک مرغ مسلم اور لاؤ۔''

''کیا میرے لئے......!'' رشیدہ جلدی سے بولی۔

''جی ہاں......جی ہاں......!''

''میرے فرشتے بھی پورا مرغ ہضم نہ کرسکیں گے۔''

''کرلیں گے......سب چلتا ہے۔'' قاسم نے لاپرواہی سے کہا۔ اس کی دانست میں رشیدہ تکلف کررہی تھی۔

''ارے......نہیں نہیں۔'' رشیدہ ویٹر کو روکتی ہوئی بولی۔ ''میرے لئے صرف کافی لاؤ۔''

''پھر کیا کھائیے گا۔'' قاسم نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''ارے واہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' قاسم نے ویٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''گرلڈ چکن لے آؤ......چار......!''

''قاسم صاحب! مجھے مرنا نہیں ہے۔'' رشیدہ نے کہا اور پھر ویٹر سے بولی۔ ''صرف کافی جاؤ!''

''آپ کی مرضی......!'' قاسم مضمحل ہوگیا۔

''میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے ملوں۔'' رشیدہ نے کہا۔

''اوہ......ہی ہی ہی۔''

''آپ کی شخصیت بڑی پرکشش ہے۔'' رشیدہ اس کی حماقت انگیز ہنسی کو نظر انداز کر کے بولی اور قاسم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سانس تیز ہوگئی اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''میں اکثر آپ کے متعلق سوچتی ہوں۔''

قاسم کے حلق میں کوئی چیز اٹک گئی۔ اس نے کوشش کی کہ وہ بھی کچھ کہے لیکن ہونٹ تک نہ ہل سکے۔

''آج جب کہ میں اور انور ایک دلچسپ کھیل کا پروگرام بنا رہے تھے تو معاً میرا ذہن آپ کی طرف گیا۔ قدرتی بات تھی۔'' رشیدہ پھر خاموش ہوکر قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔ قاسم بوکھلا کر پلکیں جھپکانے لگا تھا۔ بہت تیزی سے۔

''بڑا دلچسپ کھیل ہے۔'' رشیدہ پھر بولی۔ ''صرف تین آدمی اس میں حصہ لیں گے...... میں......انور اور آپ۔''

''خیا......خیل ہے۔'' قاسم اپنا حلق صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوا بدقت بولا۔

''بہت دلچسپ۔'' رشیدہ مسکرا کر بولی۔ ''ایک آدمی کو ڈرانا ہے۔''

قاسم ہنسنے لگا۔ دل کھول کر ہنسا......اس طرح اس کے حلق میں پڑا ہوا پھندا کھل گیا۔

''کون ڈرائے گا۔'' اس نے پوچھا۔

''آپ......!''

قاسم نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''ڈرا ڈرا کر مار ڈالوں گا سالے کو......کون ہے۔''

''سیٹھ صمدانی......!'' رشیدہ آہستہ سے بولی۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کیوں......کیا بات ہے۔''

''ارے وہ تو والد صاحب کا دوست ہے۔'' قاسم نے آگے کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ''میری شامت آجائے گی۔''

''وہ آپ کو پہچان نہیں سکے گا۔''

''نہیں......وہ مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔''

''کہتی تو ہوں کہ نہیں پہچان سکے گا۔''

''آخر کیسے۔''

''آپ کا بھیس بدلوا دیا جائے گا۔''

''میک اپ......!'' قاسم خوش ہو کر بولا۔ ''الاقسم میں تیار ہوں۔حمید کو اپنے میک اپ کرنے پر بڑا ناز ہے۔''

''مگر ٹھہریئے......آپ کبھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کریں گے۔حمید سے بھی نہیں۔''

''کیوں......!''

''بس یونہی......وعدہ کیجئے کہ آپ تذکرہ نہیں کریں گے۔''

''نہیں کروں گا...... بالکل نہیں۔''

پھر قاسم نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اس کھیل کا مقصد کیا تھا۔رشیدہ اسے چند منٹ کے لئے تنہا چھوڑ کر انور کو فون کرنے چلی گئی اور قاسم بیٹھا احمقوں کی طرح خود بخود ہنستا اور مسکراتا رہا۔اس کے ذہن میں رہ رہ کر رشیدہ کے دو جملے گونج رہے تھے جو اس نے اس کی تعریف میں کہے تھے۔

رشیدہ کی واپسی پر وہ حد درجہ سنجیدہ اور سلیم الطبع نظر آنے کی کوشش کرنے لگا۔

''آیئے اب چلیں۔'' رشیدہ نے اُس سے کہا۔

قاسم نے بل کے دام ادا کئے اور وہ باہر آ گئے۔قاسم نے ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی رکوائی اور وہ انور کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔وہ پچھلی سیٹ پر برابر بیٹھے ہوئے تھے اور قاسم کی سانس پھول رہی تھی۔یہ پہلا اتفاق تھا کہ کوئی غیر عورت اس سے اتنی قریب تھی۔

رشیدہ اُسے آہستہ آہستہ بتاتی جا رہی تھی کہ اُسے کیا کرنا ہے۔لیکن شاید ہی قاسم نے پوری بات سمجھی ہو۔وہ کبھی تو دل ہی دل میں اپنی دبلی پتلی اور کمسن بیوی کو گالیاں دینے لگتا تھا اور کبھی اس بات پر خوش ہونے لگتا تھا کہ رشیدہ نے اس کے لئے چند تعریفی جملے کہے تھے اور اس پر اتنا اعتماد کیا تھا کہ اُسے اپنے ایک کھیل میں شریک کرنے جا رہی تھی۔

''آپ کیا سوچ رہے ہیں۔'' رشیدہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''ج ج...... جی......!'' قاسم چونک پڑا۔ ''کچھ تو نہیں...... ہی ہی ہی...... ارے میں سوچ رہا تھا کہ کسی کو کچھ نہ بتاؤں گا۔''

''آپ بہت اچھے ہیں۔''

قاسم پھر بوکھلا گیا۔ اب ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی رشیدہ کے بازو آہستہ آہستہ اس کی گردن کی طرف آئیں گے اور وہ ہکلا ہکلا کر دم توڑ دے گا۔ اسے اپنی اس کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ شدید غصہ۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے جبڑوں پر خود ہی مکوں کی بارش کر دے۔ زبان کھینچ لے جو ایسے موقعوں پر لڑکھڑانے لگتی تھی۔

وہ ہانپتا رہا اور ٹیکسی فراٹے بھرتی رہی۔

قاسم کی بدحواسی

ساڑھے نو بج چکے تھے...... انور ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہوا جو ہائی سرکل نائٹ کلب سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ اس نے کلب کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

''ہیلو...... منیجر کیا صمدانی صاحب موجود ہیں۔''

''جی ہاں......!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ذرا انہیں فون پر بلا دیجئے۔'' انور نے کہا۔

''ٹھہریئے......!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آواز آئی۔

''ہیلو...... صمدانی اسپیکنگ......!''

جواب میں انور نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور فون کا سلسلہ منقطع کر کے بوتھ سے باہر نکل آیا۔

دوسری طرف صمدانی نے اس قہقہے کو حیرت سے سنا اور پھر وہ شائد تیس سیکنڈ تک ''ہیلو ہیلو'' کرتا رہا لیکن جواب ندارد......

''پتہ نہیں کون گدھا تھا......ہنس کر ڈس کنکٹ کر دیا۔'' صمدانی نے منیجر کی طرف دیکھ کر کہا اور ریسیور اسٹینڈ پر رکھ کر کچھ سوچنے لگا۔

وہ کمزور اعصاب کا دبلا پتلا بوڑھا تھا۔ اکثر معمولی معمولی باتیں بھی اسے اختلاج میں مبتلا کر دیتی تھیں لہٰذا اس وقت بھی یہی ہوا۔ میز کی طرف واپس آتے وقت اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ اس نے گلاس میں شراب انڈیلی اور پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

اچانک اس کی نظریں ایک انتہائی گرانڈیل آدمی کی طرف اٹھ گئیں جو قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھا اُسے گھور رہا تھا۔ وہ انتہائی طویل القامت اور اسی حد تک موٹا آدمی تھا۔ چہرے پر گھنی ڈاڑھی اور مونچھیں اتنی گنجان تھیں کہ ہونٹ بھی چھپ کر رہ گئے تھے۔ جسم پر انگریزی وضع کا بیش قیمت لباس تھا۔ اس کا چہرہ یوں بھی خوفناک تھا اور پھر غصہ سے گھورتی ہوئی آنکھیں۔''

صمدانی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ہاتھ کانپنے لگا جس میں اس نے شراب کا گلاس سنبھال رکھا تھا۔ اس نے گلاس میز پر رکھ دیا اور اس خوفناک آدمی کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹالیں۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک اسے دیکھے بغیر رہ بھی نہ سکا اس نے کنکھیوں سے اُسے دیکھا۔

خوفناک آدمی اب بھی اُسے گھور رہا تھا۔

صمدانی کی بدحواسی بڑھ گئی۔ شہر میں اس کے کئی حریف اور دشمن تھے۔ یوں بھی جب کبھی اس پر اختلاج کا دورہ پڑتا تھا تو اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے یک بیک اس پر مکان کی چھت آ گرے گی یا کوئی دوسرا اچانک حادثہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ بہر حال اس کی بدحواسی اتنی بڑھ گئی کہ وہ گلاس کی بقیہ شراب ختم کئے بغیر ہی اٹھ گیا۔

قاسم اپنی گھنی مونچھوں پر ہولے ہولے انگلی پھیرتا رہا۔ جب صمدانی باہر نکل گیا تو وہ بھی اٹھا۔ صمدانی کی کار کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ قاسم نے انور کی موٹر سائیکل سنبھالی جو پروگرام کے مطابق نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ ہی میں موجود تھی۔

اب قاسم باقاعدہ طور پر صمدانی کا تعاقب کر رہا تھا اور دل ہی دل میں پھولا نہیں سما رہا تھا کہ اب وہ بھی کم از کم سرجنٹ حمید سے ٹکر لے ہی سکتا تھا۔ ایک ایک کر کے اسے وہ سارے

جاسوسی ناول یاد آنے لگے جنہیں وہ اب تک پڑھ چکا تھا..... اور وہ خود کو انہیں میں سے ایک کا پراسرار جاسوس سمجھ رہا تھا۔

صمدانی کی کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور قاسم اس کا تعاقب کرتا رہا۔ انور نے اسے سمجھا دیا تھا اور جو کچھ اس نے کہا تھا اسی کے مطابق اسے عمل کرنا تھا۔ انور نے کہا تھا کہ جب تک وہ کہیں رک کر اتر نہ پڑے اس کا تعاقب جاری رکھنا چاہئے..... غالباً اس کا مطلب یہ تھا کہ صمدانی بھی اس تعاقب سے آگاہ ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد کار اس سڑک پر ہولی جو پولو گراؤنڈ کی طرف جاتی تھی۔ سڑک سنسان تھی اور قاسم کی موٹر سائیکل کا شور سناٹے میں انتشار برپا کئے ہوئے تھا۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور قاسم نے رفتار کا تناسب اتنا رکھا تھا کہ موٹر سائیکل اس سے کافی فاصلے پر رہے۔

اچانک کار کی پچھلی سرخ روشنی اس کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ اس نے اس خیال سے موٹر سائیکل کی رفتار تیز کر دی کہ کہیں اگلی کار کسی طرف گھوم نہ گئی ہو۔

کار کی قریب پہنچ کر قاسم نے موٹر سائیکل روک دی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ صمدانی کو ایک بار پھر ڈرایا جائے۔ اسے یقین تھا کہ صمدانی کار کے اندر ہی ہوگا کیونکہ قرب و جوار میں کوئی عمارت بھی نہ تھی۔

ابھی تک وہ خود کو ایک فلمی ہیرو تصور کر کے صمدانی کا تعاقب کر رہا تھا اور اس نے اسے ڈرا بھی دیا تھا۔ اس لئے اس کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ موٹر سائیکل کا انجن بند کر کے کار کی طرف یہ سوچتا ہوا بڑھا کہ صمدانی ایک خوفزدہ چوہے کی طرح کار میں دبکا ہوا ہوگا۔ کار میں اندھیرا تھا۔ قاسم نے جیب سے ٹارچ نکالی۔

روشنی کا دائرہ صمدانی پر پڑا۔ جو پچھلی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا لیکن چہرے پر روشنی پڑنے کے باوجود بھی اس نے اپنا چہرہ قاسم کی طرف نہیں گھمایا۔

''اتنا خوفزدہ ہے۔'' قاسم نے آہستہ سے بڑبڑا کر کھڑکی کے اندر سر ڈال دیا۔

اور پھر جب اس نے قریب سے دیکھا تو اسے صمدانی کی بائیں آنکھ کی جگہ ایک بڑا سا

سوراخ نظر آیا جس سے وافر مقدار میں خون نکل کر اس کے بائیں گال پر پھیل گیا تھا۔

وہ چند لمحے چپ چاپ کھڑا رہا..... پھر دوبارہ ''ارے باپ رے'' کا نعرہ مار کر اس نے اپنی پوری قوت سے شہر کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ بدحواسی میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ یہاں تک وہ ایک موٹر سائیکل پر آیا تھا اور اسی پر واپس بھی جا سکتا تھا۔ دیو جیسے ڈیل ڈول کے باوجود بھی وہ کافی تیز دوڑ رہا تھا۔

لیکن پولو گراؤنڈ کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کی طاقت جواب دے گئی اور وہ بجلی کے کھمبے سے لپٹ کر ہانپنے لگا۔ اس کے ذہن میں صرف صمدانی کا خوفناک چہرہ تھا اور اب اسے یاد نہیں رہا تھا کہ وہ یہاں کس لئے آیا تھا۔

کچھ ذرا سانس ٹھہری تو اس نے پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ لیکن اب اس میں دوڑنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ شاید آدھے ہی منٹ بعد وہ لڑھکنے والی چال سے چلنے لگا اور پھر اس کے منہ سے منمنائی ہوئی سی آواز نکلنے لگی۔ وہ دراصل انور اور رشیدہ کو گالیاں دے رہا تھا۔ پھر اسے یک بیک اپنی مصنوعی ڈاڑھی کا خیال آ گیا اور وہ اُسے بوکھلاہٹ میں نوچنے لگا..... ایک ایک بال چن لیا۔

پھر یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ پاور ہاؤز کے قریب اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ اب وہ انور کے فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اسے کچھ پتہ ہی نہ چلا کہ اس نے بقیہ راستہ کس طرح طے کیا۔ وہ ایک بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔

اور ٹیکسی ڈرائیور ہی نے اسے جھنجھوڑ کر بتایا کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ چکا ہے۔ پتہ نہیں اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کتنے کا نوٹ دیا اور عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ بہرحال ٹیکسی ڈرائیور کے تحیر آمیز انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کرائے سے بہت زیادہ دے دیا ہو۔ وہ چند لمحے کھڑا قاسم کو جاتے دیکھتا رہا پھر بڑبڑاتا ہوا ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ''ایسے ہی روز پھنسا کریں..... تو.....!''

قاسم نے انور کے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور وہ دھم سے منہ کے

بل اندر فرش پر جا گرا۔

''کیا ہوا......؟'' انور کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا۔ رشیدہ بھی بڑھی...... دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ قاسم کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح فرش پر پڑا ہانپ رہا تھا...... وہ اب چپ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں چھت پر جمی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا......!'' انور اُسے جھنجھوڑنے لگا۔ لیکن قاسم کی آنکھیں چھت پر جمی رہیں اور وہ کچھ بولنے کی بجائے صرف ہانپتا رہا۔

انور نے رشیدہ کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔

یک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا۔

''تم نے میرا بیڑا غرق کر دیا۔'' وہ دہاڑ کر بولا۔

''ہوا کیا......؟''

''اب مجھے پھانسی...... ارے باپ رے۔'' قاسم خوفزدہ آواز میں بولا اور اس طرح اپنی گردن ٹٹولنے لگا جیسے سچ مچ پھانسی کا پھندا پڑ گیا ہو۔

''کیا......؟'' انور حیرت سے بولا۔ ''کیا تم نے اسے مار ڈالا۔''

''میں نے......!'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

''ذرا آہستہ پیارے...... شور نہ مچاؤ۔'' انور نے اس کا شانہ سہلا کر کہا۔

قاسم نے کسی کنواری لڑکی کے سے انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور بولا۔

''تم نے مجھے پھانس کر اسے ختم کر دیا۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔'' انور بوکھلا گیا۔

''ہاں اب اسی طرح بنو گے...... میں جا رہا ہوں پولیس کو اطلاع دینے۔ نہیں تو کیا میں پھانسی پر چڑھوں گا۔''

قاسم نہ جانے اور کیا اول فول بکتا رہا۔ بدقت تمام انور نے اس سے پوری بات معلوم کی۔

''میری موٹر سائیکل کہاں ہے؟'' انور نے پوچھا۔

''ہوگی سالی کہیں......میں کیا جانوں......؟''

''کیوں......؟ کیا تم موٹر سائیکل پر نہیں گئے تھے۔''

''گیا تھا......!'' قاسم جھلا کر بولا۔ ''شاید وہ وہیں رہ گئی۔''

''کہاں......!''

''کار کے پاس۔''

انور بوکھلا کر اپنا سر سہلانے لگا اور رشیدہ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں۔ انور چند لمحے خاموش رہا پھر ہنس کر بولا۔ ''اچھا الو بنایا تمہیں صمدانی نے۔''

''کیوں......؟'' قاسم چونک پڑا۔

''تم اُسے ڈرانے چلے تھے......الٹا اسی نے تمہیں ڈرا دیا۔ وہ بھی اپنا چہرہ بنانے اور بگاڑنے پر قادر ہے۔''

''تو کیا وہ سب بناوٹی تھا......!'' قاسم نے حیرت سے پوچھا۔

''یقیناً...... ورنہ اس طرح اچانک...... مر جانے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔ خوب اُلو بنایا......بھئی واہ۔''

''تب تو میں اس سالے کو مار ہی ڈالوں گا۔ یہی میں بھی سوچ رہا تھا کہ آخر اتنی جلدی وہ کیسے مر گیا۔''

''تم بہت تھک گئے ہو۔ خیر ہم اُسے پھر دیکھیں گے......'' انور نے کہا اور پھر رشیدہ سے بولا۔ ''ذرا تم ان کے لئے طاقت کی دوا بنا لاؤ......وہ نیلی شیشی والی......ورنہ ہفتوں ان کے جسم میں درد ہوگا۔''

''ضرور ضرور......!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''الاقسم میں تھک کر چور چور ہوگیا ہوں۔''

رشیدہ انور کو گھورتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس دوران میں انور پھر ایسی باتیں کرنے لگا جس سے قاسم کو یقین آجائے کہ صمدانی نے اسے سچ مچ بیوقوف بنایا ہے۔

رشیدہ گلاس میں دودھیا رنگ کا کوئی سیال لے کر واپس آئی۔

''اسے پی لو۔'' انور نے قاسم سے کہا۔ ''پانچ منٹ میں جوڑ جوڑ کا درد نکل جائے گا۔''

قاسم نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ وہ پھر باتیں کرنے لگے قاسم کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ آخر اس نے مسکرا کر کہا۔ ''میں تو...... بلی کا بچہ ہوں ننھا منا سا...... انور بھائی۔''

اور پھر کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے وہ گہری نیند سو گیا۔

''یہ کیا...... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' رشیدہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

''اگر میں اسے بے ہوش نہ کرتا تو...... اسی وقت یہ کسی مصیبت میں پھنس جاتا۔'' انور نے کہا۔

''مجھے سچ سچ بتاؤ...... تم کیا کر رہے ہو۔''

''وہی جو پہلے بتا چکا ہوں...... صمدانی کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں...... شاید کوئی پہلے ہی سے اس کی گھات میں تھا۔''

''لیکن اب تمہارا کیا بنے گا۔ موٹر سائیکل بھی وہیں رہ گئی۔''

''دیکھا جائے گا...... میں تو جواری ہوں...... ہاں موٹر سائیکل کا معاملہ ضرور تشویش ناک ہے۔ لیکن میں اس کا بھی انتظام کئے لیتا ہوں۔''

''کیا انتظام کرو گے۔''

''موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے جا رہا ہوں۔ میں موٹر سائیکل سڑک کے کنارے چھوڑ کر ایک دوکان میں چلا گیا تھا۔ واپسی پر موٹر سائیکل غائب تھی۔ نائٹ کلب کے قریب ہی کوئی دوکان لکھوا دوں گا۔''

لاش کہاں تھی

دوسری صبح......

پولو گراؤنڈ والی سڑک پر ایک راہ گیر نے ایک کار کھڑی دیکھی جس کے اندر نظر پڑتے ہی

وہ اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔ پھر اس نے اچھی طرح کار کے اندر کا جائزہ لیا۔ اس دوران میں وہ برابر ہنستا رہا۔ کار کے پیچھے ایک موٹر سائیکل بھی کھڑی تھی۔

راہ گیر نے اپنی راہ لی۔ شاید اسے جلدی تھی ورنہ وہ وہاں رک کر دوسرے راہگیروں کا بھی ردعمل دیکھتا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں خاصی بھیڑ ہوگئی۔ لوگ بے تحاشہ قہقہے لگا رہے تھے اور انہیں فکر تھی کہ آخر کار کا مالک کہاں گیا۔

پھر ایک پولیس مین بھی ادھر آ نکلا۔ قہقہہ تو اس نے بھی لگایا لیکن پھر لوگوں سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ کار کا مالک اب بھی غائب تھا۔

آخر پولیس مین نے پاور ہاؤز سے کوتوالی کے لئے فون کیا۔ تشویش کی بات ایک کار اور ایک موٹر سائیکل جن کا کوئی مالک نہ تھا۔

اسی شام کو اخبارات میں ایک دلچسپ خبر دکھائی دی جس پر سب نے ایک سرخی جمائی تھی اور وہ سرخی تھی۔ ''کار میں گدھا۔''

خبر یہ تھی

آج صبح پولو گراؤنڈ کے قریب ایک کار پائی گئی جس پر ایک گدھا سوار تھا...... کار کی کھڑکیاں بند تھیں اور گدھا باہر نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ جنہوں نے یہ منظر دیکھا ہے ان کا خیال ہے کہ آئندہ شائد کبھی انہیں اتنا دلچسپ منظر نہ دکھائی دے۔ کار کے ساتھ ایک موٹر سائیکل بھی تھی۔ بعد کی اطلاعات اور زیادہ دلچسپ ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ کار شہر کے مشہور کروڑ پتی مسٹر صمدانی کی تھی اور موٹر سائیکل روزنامہ اسٹار کے کرائم رپورٹر مسٹر انور کی...... مسٹر انور نے پچھلی رات کوتوالی میں اپنی موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی...... رپورٹ کے مطابق مسٹر انور اپنی موٹر سائیکل سڑک کے کنارے کھڑی کر کے ایک دوکان میں گئے اور واپسی پر انہیں معلوم ہوا کہ اسے کوئی چرا لے گیا۔ پولیس ابھی تک مسٹر صمدانی سے ملاقات کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ورنہ کار کے متعلق بھی یقیناً کوئی سنسنی خیز انکشاف ہوتا۔

مسٹر صمدانی کے موٹر ڈرائیور نے آج صبح ایک حیرت انگیز رپورٹ درج کرائی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ پچھلی رات مسٹر صمدانی کو لے کر ہائی سرکل نائٹ کلب گیا تھا...... مسٹر صمدانی اندر چلے گئے اور وہ باہر کمپاؤنڈ میں ان کا انتظار کرتا رہا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک آدمی اسے باتوں میں لگا کر کمپاؤنڈ کے ایک سنسان حصے میں لے گیا جہاں کسی نے پیچھے سے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ پھر اس نے آج صبح خود کو کلب کے گیراج میں پایا۔ اس کے سر میں گہرا زخم آیا ہے...... مسٹر صمدانی کے متعلق نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں ہیں۔"

انور خود بھی دن بھر خبروں کی فراہمی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کرتا رہا تھا۔ اس نے صمدانی کی کوٹھی کے بھی کئی چکر لگائے لیکن کوئی اہم بات نہ معلوم ہوسکی۔ جب شام کا اخبار نکل چکا تو اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی۔

جس وقت قاسم کے پاس انور کا ملاقاتی کارڈ پہنچا تو وہ اپنی بیوی پر تاؤ کھا رہا تھا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ قاسم کے منہ میں پان تھا اور وہ صوفے پر چت پڑا ہوا اپنے منہ میں پیک اکٹھا کر رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہا تھا بلکہ بڑی دیر سے سوچ رہا تھا کہ اُسے اٹھ کر اگالدان میں تھوکنا چاہیے۔ وہ اٹھنے کا ارادہ کرتا رہا اور پیک کی زیادتی کی وجہ سے اس کے گال پھولتے رہے۔ اتنے میں اس کی بیوی نے آ کر کوئی ایسی بات کہی جس پر قاسم کو غصہ آ گیا اور برجستہ جواب دینے کے سلسلے میں اسے خیال نہ رہا کہ اس کا منہ پیک سے بھرا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری پیک اچھل کر اس کے سینے پر پڑی۔

"خدا تمہیں غارت کرے۔" قاسم اسے مکا دکھا کر بولا۔

"میں نے کیا کیا ہے۔" اس کی بیوی ہنس پڑی۔

"تم نے کیوں مخاطب کیا مجھے...... جب جانتی تھیں کہ میرے منہ میں پیک ہے۔"

"تم تھوک کر بولے ہوتے۔"

"کیوں تھوک کر بولا ہوتا۔ تم مجھ سے بولی ہی کیوں۔"

"واہ یہ اچھی رہی...... گندے کہیں کے۔"

''کیا کہا......میں گندہ ہوں۔'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

''نہیں بڑے صفائی پسند ہو......قمیض برباد کر لی۔''

''تم سے مطلب......میری قمیض ہے یا تم اپنے باوا کے گھر سے لائی تھیں۔''

''دیکھئے......باپ دادا تک نہ چڑھیے گا......ورنہ اچھا نہ ہوگا۔'' وہ بھی تیز ہوگئی۔

''کیا نہ اچھا ہوگا...... چڑھوں گا باپ دادا......تمہارے باپ تمہارے دادا سو دفعہ تمہارے باپ دادا بلکہ ان کے بھی دادا کے دادا۔''

''دیکھتی ہوں اب کیسے گھر میں پان آتا ہے۔''

''دیکھتا ہوں کون روکے گا...... پان ہی نہیں......اب برانڈی کی بوتلیں بھی آئیں گی۔''

''چچا جان کا ہنٹر شائد بھول گئے۔''

''نکل جاؤ......!'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ اتنے میں نوکر انور کا کارڈ لے آیا۔

''تم بھی دفان ہو جاؤ۔'' قاسم نے کارڈ دیکھے بغیر نوکر سے کہا۔ ''میں کسی سے نہیں ملوں گا۔''

''مگر سرکار میں تو کہہ چکا ہوں کہ آپ گھر پر موجود ہیں۔''

''جاؤ کہہ دو......صاحب مر گئے......جاؤ......!''

''نہیں کہہ دو......صاحب اپنی قمیض پر تھوک کر بیٹھے ہیں۔'' قاسم کی بیوی نے کہا۔

نوکر جانے لگا۔

''رک جابے......!'' قاسم نے اس کی گردن پکڑ لی۔ ''کیا کہے گا۔''

''صاحب......قمیض......!''

''گلا گھونٹ دوں گا۔'' قاسم دانت پیس کر بولا۔ ''اس گھر پر میرا حکم چلتا ہے......سمجھے۔''

''جی صاحب......!''

''جا کر کہہ دے کہ صاحب مر گئے۔''

نوکر چلا گیا......قاسم قمیض بدلنے کی فکر کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آ گیا۔

''صاحب وہ انور صاحب ہیں......ضروری کام ہے۔'' اس نے کہا۔

قاسم سوچ میں پڑ گیا۔ وہ تھوڑی دیر قبل شام کا اخبار دیکھ کر کافی قہقہے لگا چکا تھا لیکن معاملہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں انور اس کا منتظر تھا۔

''تم نے اخبار دیکھا۔''

''ہاں دیکھا......واقعی سالا بڑا مسخرہ معلوم ہوتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے۔'' انور نے کہا۔ ''لیکن میں تمہیں ایک خاص بات بتانے آیا ہوں۔''

''کیا......!''

''صمدانی نے مذاق ضرور کیا ہے لیکن خطرناک قسم کا۔ اگر اپنی گردن سلامت رکھنا چاہتے ہو تو پچھلی رات کے سارے واقعات کے متعلق کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔''

''کیوں......کیا بات ہے......صاف صاف بتاؤ۔''

''تمہیں کئی آدمیوں نے نائٹ کلب میں دیکھا تھا......انہوں نے پولیس کو بتایا ہے کہ تم صمدانی کو گھور رہے تھے اور شائد وہ تم سے ڈر کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے تم بھی نائٹ کلب سے نکلے تھے۔''

''تو اس سے کیا ہوا......وہ مذاق تھا......اور اس نے بھی مذاق کیا تھا۔ کار میں گدھا۔''

قاسم منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

''کیا تم نے اس کے ڈرائیور کا بیان نہیں پڑھا'' انور نے اسے گھور کر کہا۔

''وہ تمہاری حرکت تھی۔'' قاسم سنجیدگی سے بولا۔ ''خواہ مخواہ بیچارے کا سر پھاڑ دیا۔''

''چلو میری ہی حرکت سہی......لیکن تم بھی اس میں شریک تھے۔ اگر کسی سے تذکرہ کیا تو بُری طرح پھنس جاؤ گے۔''

''میں کیوں کرنے لگا تذکرہ، ہرگز نہیں کروں گا لیکن سالے صمدانی کی تاک میں ضرور رہوں گا۔''

''نہیں اب تم اس واقعے کو بالکل ہی بھول جاؤ۔''

''بھول گیا۔'' قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ''کیا واقعی رشیدہ تمہاری بیوی ہے۔''

''کیوں.....؟'' انور مسکرا کر بولا۔ ''یار اس کے چکر میں نہ پڑنا۔ بڑی خطرناک عورت ہے۔''

''اوہ.....اسی لئے تو میں ان سے.....اُن کو.....بہت اچھا سمجھتا ہوں۔''

''خیر اچھا تو میں اب چلوں گا.....خیال رہے کہ.....!''

''میں سب سمجھتا ہوں.....فکر نہ کرو۔ کل شام کو میں تمہارے گھر آ ؤں گا۔'' قاسم نے کہا۔

''شائد ہم لوگ نہ ملیں۔'' انور نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ اس کا ذہن اب تک اسی واقعے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق قاسم نے سچ مچ صمدانی کی لاش ہی دیکھی تھی۔ ورنہ اتنی بدحواسی میں کبھی نہ بھاگتا۔ اس نے یہاں تک تو بتایا تھا کہ اس کی بائیں آنکھ کی جگہ ایک بڑا سا سوراخ تھا جس سے خون بہہ رہا تھا پھر آخر لاش کی بجائے ایک زندہ گدھا کیوں؟ قاتل ظریف ہی نہیں بلکہ ستم ظریف تھے اور انہوں نے اس کی موٹر سائیکل بھی وہیں جوں کی توں رہنے دی تھی۔

نوعیت کے اعتبار سے واقعات عجیب تھے.....انور سوچ رہا تھا کہ کہیں آگے چل کر معاملات اور زیادہ پیچیدہ نہ ہو جائیں۔ پولیس والے موٹر سائیکل کی چوری کے متعلق اسے شبہے کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ انور کو اپنی موٹر سائیکل کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی اور وہ ابھی تک پولیس ہی کے قبضے میں تھی۔ انور نے سوچا کہ اسے ایسے موقع پر انسپکٹر فریدی سے ضرور ملنا چاہئے۔ دوسروں کی بات تو الگ رہی خود رشیدہ بھی اس کی طرف سے مشکوک تھی۔ رشیدہ کا خیال تھا کہ گدھے والی حرکت انور ہی کی تھی اُس نے لاش غائب کر کے کار میں ایک عدد گدھا ٹھونس دیا تھا۔

لیکن انور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ قاسم کو بیہوش کرنے کے بعد وہ سیدھا کوتوالی گیا تھا اور موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا کے پھر گھر واپس آ گیا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہوتے انور فریدی کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ فریدی ابھی ابھی کہیں سے واپس آیا تھا اور کیڈی کو گیرج میں ڈال کر باہر نکلا ہی تھا کہ انور سے سامنا ہوگیا۔ فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرا کر رک گیا۔

''خوب......!'' اس نے کہا۔ ''تو تم آ گئے۔''

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بغور فریدی کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ جس پر تھوڑی بہت تھکاوٹ کے آثار نظر آ رہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی لمبی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

''آؤ......اندر چلو......!'' فریدی نے کہا۔ ''کار والے گدھے نے میرے گدھے حمید کو اپنی طرف متوجہ کرلیا ہے اور وہ اس وقت غالباً مسٹر صمدانی کی سیکریٹری مس لورین سے غپ لڑا رہا ہوگا۔''

دونوں اندر آئے اور فریدی ایک صوفے پر گرتا ہوا بولا۔ ''شاید تم صحیح واقعہ بتانے آئے ہو۔''

''کیسا صحیح واقعہ......!'' انور گڑبڑا کر بولا۔ ''میں نہیں سمجھا۔''

''فرزند......میں آصف نہیں ہوں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''موٹر سائیکل کی سچی کہانی مجھے درکار ہے کیونکہ اب معاملہ بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔''

''موٹر سائیکل......وہ تو چوری۔''

''نہیں......!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''وقت نہ برباد کرو......موٹر سائیکل نائٹ کلب سے کافی فاصلے پر تھی۔ تم نے جس دوکان کا حوالہ رپورٹ میں دیا ہے وہ اول تو کلب سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ آٹھ بجے ہی بند ہوچکی تھی اور تم نے رپورٹ میں ساڑھے نو کا وقت لکھوایا ہے۔ قبل اس کے کہ پولیس دوکاندار سے پوچھ گچھ کرتی میں وہاں پہنچ گیا۔ لہٰذا اب وہ کسی دوسرے کو دوکان بند ہونے کا وقت آٹھ کی بجائے گیارہ بتائے گا۔''

انور کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ فریدی مسکرا رہا تھا۔

''اگر معاملہ تمہاری موٹر سائیکل کا نہ ہوتا تو میں اتنی زحمت مول نہ لیتا۔'' اس نے کہا۔

''پھر میں کسی دوسری دوکان میں گیا ہوں گا'' انور ڈھٹائی سے بولا۔

''انور بکواس بند کرو۔ میں ابھی ابھی صمدانی کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں۔''

''کیا......؟'' انور اچھل پڑا۔

''لاش آج صبح اس کے سمر ہاؤز میں پائی گئی ہے جو جھریالی کے مضافات میں ہے۔ کسی نے اس کی بائیں آنکھ میں گولی ماری ہے۔ ڈاکٹر کی رپورٹ ہے یہ قتل پچھلی رات کو دس بجے کے بعد کسی وقت ہوا تھا۔''

انور سناٹے میں آ گیا۔

فریدی چند لمحے انور کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ ''لیکن قتل سمر ہاؤز میں نہیں ہوا۔ صمدانی کے جسم پر پورا لباس تھا اور اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ پھر بھی اس کی لاش بستر پر پائی گئی۔ لیکن بستر پر خون کا ایک دھبہ بھی نہیں ملا......ریوالور کی نال آنکھ پر رکھ کر گولی چلائی گئی تھی کیونکہ حلقے کے گرد بارود کی کھرنڈ پائی گئی ہے......میرا خیال ہے کہ وہ اپنی کار میں ہی قتل کیا گیا تھا......اور اسی جگہ جہاں کار ملی ہے۔''

وہ پھر خاموش ہو کر انور کو گھورنے لگا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔

''لیکن تمہاری ہی موٹر سائیکل کیوں۔'' فریدی پھر بولا۔ ''ظاہر ہے کہ صمدانی کے ڈرائیور کو بیہوش کر کے وہاں اسی لئے ڈال دیا گیا تھا کہ اس کی جگہ کوئی اور سنبھالے۔ خیر تو ایک پراسرار آدمی نے اس کے ڈرائیور کی جگہ لی اور صمدانی اسے نہیں پہچان سکا۔ راستے میں اس نے کار روک دی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے صمدانی نے کار روکنے کی وجہ پوچھی اور وہ پراسرار آدمی نہایت اطمینان سے مڑا اور اس کی بائیں آنکھ پر ریوالور رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ یہ سب تو ہوا لیکن تمہاری موٹر سائیکل کا وہاں کیا کام......ایسی حالت میں جب کہ وہ چرائی بھی نہیں گئی تھی۔''

''آپ کہہ رہے ہیں کہ قتل کار میں ہوا......تو پھر لاش کو وہاں اتنی دور سمر ہاؤز میں لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔'' انور نے کہا۔

''ہم......اور تم نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ کار میں گدھا ٹھونسنے کی کیا ضرورت تھی۔سنو فرزند! اس موٹر سائیکل پر کوئی ایسا آدمی تھا جو قاتلوں میں سے نہیں تھا......اور وہ صمدانی کی کار کا تعاقب کررہا تھا۔محض اسی کی وجہ سے قاتلوں کو یہ دونوں حرکتیں کرنی پڑیں۔غالباً وہ کسی بناء پر کچھ دیر کے لئے یہ نہیں ظاہر ہونے دینا چاہتے تھے کہ صمدانی قتل کردیا گیا۔کیا اس گدھے نے پولیس کو آج دن بھر پریشان نہیں رکھا۔لیکن میرا خیال ہے کہ قاتلوں کا مقصد رات ہی کو حاصل ہوگیا ہوگا۔شائد وہ رات بھر کے لئے اس قتل کو چھپانا چاہتے تھے۔ورنہ وہ اس لاش کو سمر ہاؤز نہ لے جانے کے بجائے کہیں اور لے جاتے۔''

''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موٹر سائیکل پر میں تھا۔'' انور نے کہا۔

''نہیں...... مجھے تم سے اس کی توقع نہیں کہ تم کسی ایسی جگہ اپنی موٹر سائیکل چھوڑ جاؤ گے......لیکن اس پر جو کوئی تھا تم اس سے واقف ہو اور تم قتل کی واردات سے بھی واقف ہو گئے تھے......اسی لئے تم نے چوری والی کہانی گڑھی۔''

''آپ سے کوئی کچھ چھپا نہیں سکتا۔'' انور مری ہوئی آواز میں بولا اور پھر اسے پوری روداد دہرانی پڑی۔فریدی کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا تھا اور صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ ضبط کرنے کی انتہائی کوشش کررہا ہے۔انور خاموش ہوکر دوسری طرف دیکھنے لگا۔اس وقت فریدی سے نظر ملانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

''یہ ایک قطعی غیر قانونی حرکت تھی۔'' اسے فریدی کی سپاٹ اور سرد آواز سنائی دی۔

''اب میں اس دوکان دار کو مجبور کروں گا کہ وہ صحیح بیان دے۔''

''میں پھنس جاؤں گا......!'' انور بوکھلا گیا۔

''جہنم میں جاؤ...... میں بے ایمانی کسی کی بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ میں نے تمہیں سینکڑوں بار سمجھایا ہے کہ قانون سے کھیلنے کی کوشش نہ کیا کرو......نہیں نہیں ...... میں مجبور ہوں۔تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا اور پھر تم نے اس گدھے قاسم کو اس میں شریک کیا تھا......تم احمق بھی ہو۔''

فریدی کے دلائل

انور خاموش بیٹھا رہا۔

فریدی بھی خاموش ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے سگار سلگایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ انور نے ایک غیر قانونی حرکت ضرور کی تھی لیکن قتل میں اس کا ہاتھ نہیں تھا۔ اگر وہ یہ حرکت نہ کرتا تب بھی صمدانی قتل کر دیا جاتا کیونکہ واقعات کے اعتبار سے وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم معلوم ہوتی تھی۔

''تو کیا پھر واقعی میرا غرور ٹوٹ جائے گا'' انور بڑبڑایا اور فریدی رک کر اُسے گھورنے لگا۔

انور کہتا رہا۔ ''دیکھئے ...... یہ تو قریب قریب ناممکن ہے کہ میں حوالات کی شکل دیکھوں لیکن میرے راستے میں جو بھی آیا اس کی خیر نہیں۔''

''کیا یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو۔''

''نہیں ...... مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کو چیلنج کر سکوں۔ لیکن پولیس کی دشواریاں ضرور بڑھ جائیں گی۔ آسانی سے کوئی مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔''

''لونڈے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''تم اگر اتنے ہی ذہین ہوتے تو قاسم جیسے احمق اس کام میں نہ شریک کرتے۔''

''جو دل چاہے کہئے ...... اب تو جو ہونا تھا ہو ہی گیا۔ اگر صمدانی قتل نہ کر دیا گیا ہوتا تو اس وقت ایک سونے کی چڑیا میری مٹھی میں ہوتی۔''

''تمہیں اب بھی اپنے فعل پر ندامت نہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''قطعی نہیں ...... آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میری پوری زندگی سے واقف ہیں۔ کیا لوگوں نے قانون ہی کی مدد سے مجھے نہیں کچلا ہے۔ کیا اخلاقیات کے مقدس ہاتھ میری گردن تک نہیں پہنچے۔ میری نظروں میں ان دونوں کے لئے کوئی احترام نہیں۔ میں خود اپنی

پر ایک اٹل قانون ہوں۔"

"تمہیں فی الحال ایک گلاس ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے۔" اچانک برآمدے سے آواز آئی۔

یہ سرجنٹ حمید تھا اور اس کے ساتھ ایک بکرا بھی تھا جس کے سر پر ایک پرانی فلٹ ہیٹ تھی اور گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی۔

"تم اس وقت بالکل سہراب مودی کی طرح ڈائیلاگ بول رہے تھے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا پھر بکرے کی طرف دیکھ کر بولا۔ "برخوردار بغرا خاں پہلے بھی تمہاری تعریف سن چکا ہے۔"

"کوئی خبر......!" فریدی اس کی بکواس کو نظر انداز کر کے بولا۔

"لورین بڑی پیاری لڑکی ہے۔"

"کیوں......؟" فریدی انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ حمید کوئی بہت اہم خبر لے کر آئے گا۔"

"لیکن یہ کیا فرماتے ہیں درباب اپنی موٹر سائیکل کے۔" حمید نے چہک کر کہا۔

"ڈی۔ایس۔پی صاحب کچھ اور سوچ رہے ہیں۔"

"کیا سوچ رہے ہیں؟"

"لاش ملنے کے بعد سے نئی دوڑ دھوپ شروع ہوگئی ہے اور اب انہیں اس دیوہیکل آدمی کی تلاش ہے جو کلب میں صمدانی کو گھور رہا تھا۔ منیجر سے ایک نئی بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ ساڑھے نو بجے صمدانی کے لئے کسی کی فون کال آئی تھی اور صمدانی نے کال ریسیو کرنے کے بعد منیجر سے کہا تھا کہ ایک قہقہہ لگا کر کسی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔"

فریدی نے سوالیہ انداز میں انور کی طرف دیکھا اور انور اثبات میں سر ہلا کر اپنی جیب میں سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

"کیا مطلب......!" حمید باری باری سے دونوں کو گھورتا ہوا بولا۔

"میں اب چلوں گا۔" انور اٹھتے ہوئے بولا۔ فریدی نے اسے روکا نہیں۔ حمید بھی چپ چاپ اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''یہ کس لئے آیا تھا'' حمید نے پوچھا۔

''بیٹھ جاؤ...... اس گدھے نے ایک حماقت کی ہے۔'' فریدی نے کہا اور پھر اس نے وہ واقعات دہرا دیئے جو انور سے سنے تھے۔

''قاسم......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''مجھے حیرت ہے...... مگر نہیں چونکہ انور نے یہ جال رشیدہ کے ذریعہ بچھوایا تھا اس لئے اس کا پھنس جانا ناممکنات میں سے بھی نہیں۔''

''اب سوال یہ ہے کہ قاسم اپنی زبان بند بھی رکھے گا یا نہیں۔''

''اگر رکھتا بھی ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ دوکاندار......!''

''اس کا انتظام میں پہلے ہی کر چکا ہوں...... وہ ہرگز یہ نہ کہے گا کہ اس کی دوکان آٹھ ہی بجے بند ہوگئی تھی۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ انور کا ہاتھ اس قتل میں بھی ہے تو میں اس کی ضرورت نہ سمجھتا۔''

''بہر حال وہ صمدانی کو دھوکہ دینے جا رہا تھا۔''

''لیکن اس کی اتنی زیادہ سزا بھی نہ ہونی چاہیئے کہ اس پر قتل کا الزام عائد کر دیا جائے۔ اصل مجرم تو پولیس کے ہاتھ لگنے سے رہے۔ وہ مجرم جس میں مزاح کی حس بھی ہو انتہائی ذہین اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مقتول کی کار میں گدھا ٹھونسنا ان کے اطمینان اور دیدہ دلیری کی دلیل ہے۔''

''پھر آپ کیا کریں گے؟''

''قاسم کے سلسلے میں کچھ کرنا چاہیئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ احمق بھی مفت ہی میں مارا جائے گا۔''

''اسے ٹھیک کر لوں گا۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن انور کو بھی کچھ نہ کچھ سزا ملنی ہی چاہیئے۔''

''اس پر پھر غور کریں گے۔''

''اچھا تو میں چلا...... قاسم کو سیدھا کرنے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''کیا کرو گے؟''

''کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گا...... ہاں...... وہ لڑکی لورین...... صمدانی کی پرائیویٹ

سیکریٹری...... مجھے اس پر شبہ ہے۔"

"کس بات کا۔"

"قتل میں اس کا بھی ہاتھ ہوسکتا ہے۔ یا پھر وہ اس کے متعلق کچھ جانتی ہے۔"

"وہ کس طرح...... بیٹھ جاؤ۔"

"گفتگو کے دوران میں اس نے کئی غلط بیانیاں کیں۔ ظاہر ہے کہ وہ صمدانی کی پرائیویٹ سیکریٹری تھی لہٰذا اسے جتنا دخل صمدانی کے مزاج میں رہا ہوگا کسی اور کو نہیں ہوسکتا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا اس دوران میں صمدانی کچھ پریشان نظر آتا تھا۔ اس نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ حالانکہ کئی نوکروں کی زبانی میں یہ سن چکا تھا کہ صمدانی دو تین دن سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ اکثر راتوں کو اٹھ کر ٹہلتا تھا۔ کچھ خوفزدہ بھی تھا۔ سوتے وقت اپنے کمروں کی کھڑکیاں خود ہی بند کرتا تھا...... اگر وہ بند ہوتی تھیں تو سونے سے قبل ایک بار اُن کے بولٹ ضرور ٹٹول لیتا تھا۔"

"تو تم اس لڑکی کے پیچھے پڑنے کے لئے زبردستی کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈ رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ہاں وہ انڈے دیتی ہے نا......!" حمید جھنجھلا گیا۔

"اس کے ورثاء کے متعلق کیا معلومات حاصل کیں۔"

"لاوارث...... یعنی کوئی اولاد نہیں...... پتہ نہیں یہ سالے زیادہ تر لاولد کیوں ہوتے ہیں۔ بیوی عرصہ ہوا مر چکی۔ ایک بھتیجا ہے...... وہ خود بھی بڑا سرمایہ دار ہے۔"

"کون......؟"

"سجاد صمدانی...... اور وہ تین سال سے یورپ میں ہے۔ یہاں اس کی کافی بڑی تجارت ہے جسے اس کے منیجر کنٹرول کرتے ہیں۔"

"تو بس وہی ایک بھتیجا ہے۔"

"جی ہاں...... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ قاتل نہ ہوگا۔"

''میں فی الحال تمہارا خیال نہیں دریافت کر رہا ہوں......اور کوئی خبر۔''

''برخوردار بغرا خاں آج کچھ سست ہے۔'' حمید نے بکرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اسے یہاں سے ہٹا لے جاؤ ورنہ میں تمہیں پیٹوں گا۔''

''چلا جائے گا جناب......کیا آپ نے اسے یتیم سمجھ لیا ہے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ وہ جلد سے جلد قاسم کے پاس پہنچ کر اس کی مرمت کرنا چاہتا تھا۔

لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی کیونکہ اس وقت نوکر نے ڈی۔ایس۔پی سٹی کی آمد کی اطلاع دی اور اس کی آمد دلچسپی سے خالی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے حمید نے فی الحال باہر جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ آج کل اس سے فریدی کے کیسے تعلقات ہیں۔ کبھی ان دونوں میں کھٹک جاتی تھی اور وہ ایک دوسرے کی راہ میں روڑے اٹکانے لگتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ دونوں شانہ بشانہ کام کرتے نظر آتے تھے۔

فریدی نے ڈرائنگ روم میں ڈی۔ایس۔پی کا استقبال کیا۔

ڈی۔ایس۔پی کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور وہ تنہا ہی تھا۔

''اس کیس نے تو چکرا کر رکھ دیا ہے۔'' وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

''بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور آپ خلاف معمول بہت زیادہ خاموش نظر آرہے ہیں۔ میں نے آپ کو اس موڈ میں کبھی نہیں دیکھا۔''

''کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے......بعض سیدھے سادے معاملات کی تہہ تک پہنچنا بھی دشوار معلوم ہونے لگتا ہے۔''

''گھما پھرا کر سوچنے کی عادت ہی بُری ہوتی ہے۔'' ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

حمید مسکرانے لگا۔ وہ اس کی گفتگو کا مقصد اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس طرح ڈی۔ایس۔پی فریدی سے معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی نے اس جملے کا کوئی جواب نہ دیا۔

''سگار......!'' وہ ڈی۔ایس۔پی کی طرف سگار بڑھاتا ہوا بولا۔

ڈی۔ایس۔پی نے سگار لے کر سلگایا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔

''لیکن اس کرائم رپورٹر کی موٹر سائیکل مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ وہ کوئی نیک نام آدمی نہیں۔''

''الجھن میں ڈالنے کے لئے صرف موٹر سائیکل ہی نہیں ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''اس گدھے کے متعلق آپ کیا کہیں گے اور وہ لاش جو سمر ہاؤز میں پائی گئی۔ میں یہ پہلے ہی ثابت کر چکا ہوں کہ قتل سمر ہاؤز میں نہیں ہوا تھا۔''

''ٹھیک ہے پورا کیس ہی الجھا ہوا ہے۔ صمدانی کی کار میں بھی دو ایک جگہ خون کے دھبے ملے ہیں جن پر شاید مجرموں کی نظر نہیں پڑی تھی...... حالانکہ انہوں نے حتی الامکان صفائی کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن موٹر سائیکل کا معاملہ...... بھئی وہ دوکان جہاں اس نے موٹر سائیکل کھڑی کی تھی نہ صرف کلب سے دور ہے بلکہ ایک دوسری سڑک کے موڑ پر واقع ہے۔''

''میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں۔'' فریدی نے سنجیدگی سی کہا۔ ''لیکن آپ کو یہ تسلیم ہے کہ مجرموں نے کیس کو پیچیدہ بنانے کی کوشش کی ہے۔''

''قطعی......!''

''تو پھر وہ موٹر سائیکل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ انور کوئی گمنام آدمی نہیں، اور بہتیرے آدمیوں کو یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ وہ اکثر پولیس سے الجھتا رہتا ہے ہوسکتا ہے کہ مجرموں نے اسی سے فائدہ اٹھا کر اسے پھنسانے کی کوشش کی ہو۔ ورنہ موٹر سائیکل لے بھاگنے کا کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ جبکہ مجرموں کے پاس ایک کار اور بھی تھی۔ کار نہیں بلکہ ٹرک کہئے۔''

''کیوں......ٹرک کیوں......؟''

''اوہو......تو کیا آپ نے سمر ہاؤز کے سامنے دوہرے پہیوں کے نشانات نہیں دیکھے۔ دوہرے پہیئے صرف ٹرک یا بس میں لگائے جاتے ہیں۔ کار میں نہیں ......وہ غالباً اسی ٹرک پر لاش وہاں لے گئے تھے۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجرم گاڑیوں کی چوری اسی وقت کرتے

ہیں جب ان کے پاس کوئی گاڑی نہ ہو۔ ورنہ وہ اس قسم کا خطرہ نہیں مول لیتے۔ خصوصاً جب معاملہ قتل کا ہو۔ میرا خیال ہے کہ یہ حرکت انور کو پھنسانے ہی کے لئے کی گئی تھی۔"

"اچھا اگر میں صاف صاف یہ کہوں کہ انور بھی اس جرم میں شریک ہے تو۔" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔

"میں اسے ہرگز نہ تسلیم کروں گا۔"

"انور آپ کا دوست ہے نا...... اور شائد وہ خود کو آپ کا شاگرد بھی کہتا ہے۔"

"دلیل! ڈی۔ ایس۔ پی صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں کوئی بات بغیر دلیل نہیں کہتا۔ کیا آپ انور کو احمق سمجھتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں...... وہ شیطان کا بھی چچا ہے۔"

"یعنی کافی ذہین ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "کیا کوئی ذہین آدمی...... آدمی نہیں بلکہ صاف صاف مجرم کہئے...... کیا کوئی ذہین مجرم کسی ایسی جگہ کوئی اس قسم کا سراغ چھوڑ سکتا ہے جس سے اس کی گردن پھنس جائے۔"

"جلد بازی اور گھبراہٹ میں ایسا ممکن ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "کیا اسے آپ جلد بازی کہیں گے۔ صمدانی کو کار میں قتل کیا گیا پھر سیٹ پر سے خون کے دھبے مٹائے گئے۔ لاش ایک ٹرک میں لادی گئی۔ پھر کار میں گدھا ٹھونسا گیا۔ کون اسے جلدی اور گھبراہٹ کا کام کہے گا۔ پھر پولیس کو اطلاع ہوتی ہے دوسرے دن صبح۔ کیا رات بھر میں موٹر سائیکل وہاں سے ہٹائی نہیں جا سکتی تھی۔"

ڈی۔ ایس۔ پی ایک گہری سانس لے کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار اور زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔

حمید فریدی کی ذہانت پر عش عش کر رہا تھا کہ اس نے کتنی صفائی سے انور کو اس معاملے سے الگ کر دیا۔

"میں تو محض......" ڈی۔ ایس۔ پی تھوڑی دیر بعد پھیکی مسکراہٹ کیساتھ بولا۔ "اس معاملے

میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ انور اتنا احمق نہیں ہوسکتا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ فرش پر نظریں جمائے سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

''میں صمدانی کے ورثاء کے متعلق چھان بین کر رہا ہوں۔'' ڈی۔ایس۔پی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''شائد اس کے ایک بھتیجا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں سجاد صمدانی...... اس کا بھی کافی بڑا کاروبار ہے۔ لیکن وہ تین سال سے نہیں آیا...... اور نہ اس کے کسی آدمی سے اس کی ملاقات ہوئی۔''

''ملاقات سے کیا مراد ہے۔'' فریدی نے فرش سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

''پچھلے سال اس کا جنرل منیجر انگلینڈ گیا تھا۔ اسے ایک ضروری مشورہ لینا تھا۔ جب وہ انگلینڈ پہنچا تو اسے سجاد صمدانی کا ایک تار ملا جو فرانس سے آیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ بعض مشغولیات کی بناء پر انگلینڈ نہیں پہنچ سکتا۔ جنرل منیجر پیرس پہنچا لیکن وہاں بھی اسے ایک تار ملا جو جرمنی سے بھیجا گیا تھا اور اس میں تحریر تھا کہ سجاد ایک ضروری کام کے سلسلے میں جرمنی چلا گیا ہے۔ اس طرح ان دونوں کی ملاقات نہ ہوسکی اور وہ معاملہ خط و کتابت ہی کے ذریعہ طے ہوگیا تھا اور اس نے جنرل منیجر کو مختار کل بنا رکھا ہے اور وہی اس کی طرف سے سارے کام انجام دیتا ہے۔''

''یہ اطلاع دلچسپ ہے۔'' فریدی ڈی۔ایس۔پی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''کیوں......؟''

''کیا آپ کو یہ بات دلچسپ نہیں معلوم ہوتی کہ اس کے کسی آدمی نے اسے تین سال سے نہیں دیکھا۔''

''ہے تو...... لیکن اس کیس سے اس کا کیا تعلق ہوسکتا ہے۔''

''ابھی اتنی جلدی تعلق کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''صمدانی کی مالی پوزیشن کیا تھی۔''

''کروڑوں کا بینک بیلنس...... کروڑوں تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور وہ جنوبی حصے کی

ایک سونے کی کان کا مالک تھا۔"

"خوب......تو اب یہ سجاد صمدانی کا سب کچھ ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔"دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ سب معاملات بھی جنرل منیجر ہی کے ذریعہ طے ہوتے ہیں یا وہ خود آتا ہے۔"

"لیکن اس سے ہماری تفتیش پر کیا اثر پڑے گا۔"

"یہ بھی بعد کی چیز ہے۔" فریدی نے کہا۔"ویسے اس قتل کا مقصد کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔"

"کیا آپ سجاد پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

"لیکن وہ تو تین سال سے انگلینڈ میں ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ویسے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا......لیکن آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ قتل کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔"

"مگر یہ تو سیدھی سی بات ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔"اور میں آپ سے گھماؤ پھراؤ کی توقع رکھتا ہوں۔"

"کون جانتا ہے کہ اس میں گھماؤ پھراؤ نہ ہوگا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

پراسرار مسٹر براؤن

دوسرے دن سہ پہر کو صمدانی کی پرائیویٹ سیکریٹری لورین آفس سے باہر نکلی۔ چند لمحے کھڑی ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اس نے دروازہ بند کر کے اسے باہر سے مقفل کیا۔ ایک بار پھر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور جب یہ اطمینان ہوگیا کہ آس پاس کوئی موجود نہیں ہے تو اس نے دوسرے دروازے کو دھکا دیا اور پھر آفس کے اندر داخل ہوئی اور دروازے کو مقفل کر کے چند لمحے کھڑی رہی۔

آفس میں اس کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ ایک کافی کشادہ کمرہ تھا اور یہاں کئی بڑی بڑی میزیں تھیں جن پر فائیلوں کے ڈھیر تھے۔ عمارت میں یہی ایک ایسا کمرہ تھا جسے پولیس نے مقفل نہیں کیا تھا۔ اسے اس لئے مقفل نہیں کیا تھا کہ پولیس صمدانی کے کاغذات کی چھان بین کر رہی تھی اور کچھ ہی دیر قبل کچھ آفیسر یہاں سے رخصت ہوئے تھے۔ ابھی کاغذات کی بہتیری الماریاں ایسی باقی تھیں جنہیں کھولا بھی نہیں گیا تھا۔ یہ صمدانی کا نجی آفس تھا اور یہاں پرانے ریکارڈ بھی رکھے جاتے تھے۔

لورین نے دروازے پر سیاہ پردے کھینچ دیئے۔ پھر وہ ایک گوشے کی طرف بڑھی جہاں ایک چھوٹی سی گول میز رکھی تھی۔ شائد ہی آج تک کسی کو اس گول میز کی اصل حقیقت معلوم کرنے کا خیال آیا ہو۔ اور آتا بھی کیسے..... کیونکہ وہ بظاہر اخروٹ کی لکڑی کی ایک معمولی سی گول میز تھی۔ کسی کو کیا معلوم کہ اس کا اوپری تختہ اتنا موٹا کیوں ہے اور وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتی۔

لورین نے زمین پر بیٹھ کر اوپری تختے کو نیچے سے ٹٹولا۔ ایک ہلکی سی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک پتلی سی تختی باہر نکل پڑی۔ پھر لورین نے تختی کی چھوڑی ہوئی جگہ میں ہاتھ ڈال کر بجلی کا ایک پلگ نکالا جس کے سرے سے تار منسلک تھا۔ دوسرے لمحے میں وہ اس پلگ کو دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ میں لگا رہی تھی۔ پلگ لگتے ہی کھٹاکے کے ساتھ قریب ہی کی بڑی میز کے نیچے کا فرش ایک طرف کھسک گیا۔

لورین نے اپنے بیگ سے ٹارچ نکالی اور تہہ خانے میں اتر گئی۔ نیچے تک پہنچنے کے لئے اسے دس سیڑھیاں طے کرنی پڑیں۔

یہ جگہ بھی اوپری کمرے ہی کی طرح کشادہ تھی اور یہاں صرف ایک بڑی آہنی الماری رکھی ہوئی تھی۔ لورین بے تابی سے آگے بڑھی۔ الماری میں کوئی قفل نہیں نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی وہ بند تھی۔ لورین نے ہینڈل پر اپنی قوت صرف کر دی لیکن اس کا دروازہ ہلا تک نہیں۔ پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک چاروں طرف سے الماری کا جائزہ لیتی رہی۔ لیکن اسے کہیں کوئی ایسی

چیز نہ دکھائی دی جسے وہ الماری کھولنے اور بند کرنے کا ذریعہ سمجھ سکتی۔ آخر وہ تھک ہار کر اوپر واپس آ گئی۔

سوئچ بورڈ سے پلگ ہٹاتے ہی فرش پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

چھ سات منٹ بعد وہ آفس سے نکلی..... باہر اب بھی سناٹا تھا۔ قرب وجوار ایک متنفس بھی دکھائی نہیں دیا۔

پھر اس نے گیراج سے ایک چھوٹی سی کار نکالی۔

تار گھر کے قریب اس نے کار روک دی۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے ایک فارم طلب کیا اور پھر اس پر جلدی جلدی کچھ لکھنے لگی۔ بیگ سے ٹکٹ نکال کر فارم پر چسپاں کئے اور اسے کلرک کے حوالے کر کے رسید کا انتظار کرتی رہی۔

پھر جیسے ہی وہ کمرے سے باہر نکلی..... دوسرے دروازے سے فریدی اندر آیا..... اس نے رک کر اس کھڑکی کی طرف دیکھا جس پر لورین نے تار دیا تھا..... پھر وہ پوسٹ ماسٹر کے کمرے کی طرف گیا۔

اس نے اپنا کارڈ پوسٹ ماسٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تھوڑی تکلیف دوں گا۔''

''فرمایئے.....!'' پوسٹ ماسٹر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

''کھڑکی نمبر تین پر ابھی ایک لڑکی نے تار دیا ہے..... میں ذرا وہ فارم دیکھنا چاہتا ہوں۔''

پوسٹ ماسٹر نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر چپڑاسی کے لئے گھنٹی بجائی۔

تھوڑی دیر بعد لورین کا لکھا ہوا فارم فریدی کے سامنے تھا۔

تار کا مضمون تھا۔

''میں وہاں تک پہنچ گئی..... لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی..... کسی ایکسپرٹ مکینک کو بھیجو.....!

کرپیانا۔''

تار بھیجنے والے کا پتہ بھی خلاف توقع ہی نکلا۔ لورین صمدانی کی کوٹھی کے ایک حصے میں رہتی تھی لیکن فارم پر تار بھیجنے والے کا پتہ وہاں کا نہیں تھا۔

فریدی نے اپنی نوٹ بک نکال کر دونوں پتے تحریر کئے۔

تار رام گڑھ میں کسی مسٹر براؤن کو بھیجا گیا تھا جو شیزان ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۸ میں مقیم تھا۔

''اس تار کو کم از کم چھ گھنٹے کے لئے روک لیا جائے۔'' فریدی نے پوسٹ ماسٹر سے کہا۔

''مجھے افسوس ہے مسٹر فریدی...... یہ صرف پوسٹ ماسٹر جنرل کے حکم سے ہی ہوسکتا ہے۔''

''تو پھر مجھے فون کرنے کی اجازت دی جائے۔''

''شوق سے......!''

فریدی نے ریسیور اٹھا کر اپنے آئی۔جی کے نمبر ڈائیل کئے اور اس سے تار رکوانے سے متعلق گفتگو کرتا رہا...... پھر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

''میں پوسٹ ماسٹر جنرل کو اپروچ کر رہا ہوں۔'' فریدی نے پوسٹ ماسٹر سے کہا۔

''بہتر ہے۔'' پوسٹ ماسٹر نے کہا اور اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔

شاید دس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ پوسٹ ماسٹر ریسیور اٹھا کر سنتا رہا۔ پھر اس نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور فریدی سے بولا۔ ''بہت اچھا جناب...... لیکن آپ مجھے اس قسم کی ایک تحریر دے دیجئے کہ آپ اسے چھ گھنٹے کے لئے رکوا رہے ہیں۔''

فریدی تحریر دے کر باہر آ گیا۔ برآمدے میں اس نے پبلک فون کا ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو...... آپریٹر...... لانگ ڈسٹنس پلیز...... رام گڑھ......!''

وہ کچھ دیر انتظار کرتا رہا پھر بولا۔ ''رام گڑھ...... انٹیلی جنس بیورو پلیز...... اوہ پلیز کنکٹ میجر نصرت...... ہیلو میجر نصرت...... میں احمد کمال فریدی بول رہا ہوں۔ تھوڑی سی تکلیف دوں گا...... ایک آدمی کے متعلق معلومات درکار ہیں...... نام مسٹر براؤن...... سکونت کمرہ نمبر اٹھائیس شیزان ہوٹل...... میں اس کی نگرانی بھی چاہتا ہوں...... مجھے گھر ہی پر فون کیجئے گا...... مگر نہیں آفس کے نمبر پر۔''

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''تاکہ آپ کال کے پیسے محکمے سے وصول کر سکیں۔ اچھا بہت بہت شکریہ۔''

اس نے ریسیور رکھ کر کال کی قیمت ادا کی۔

سرجنٹ حمید تار گھر کے باہر کھڑا تھا۔ جیسے ہی اس نے لورین کو باہر آتے دیکھا اس کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ لورین نے کار اسٹارٹ کرنی چاہی لیکن انجن بھر بھرا کر رہ گیا۔ حمید وہاں اس کی پریشانی دیکھنے کے لئے ٹھہر نہ سکا۔ یہ حرکت اسی کی تھی۔ فریدی نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس کا انتظار کرے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ لورین سے بھی انتظار کرایا جائے۔ جب تک وہ کار سنبھالے گی فریدی خود بھی باہر آ جائے گا۔ وہ اسے کار کے انجن میں الجھی ہوئی چھوڑ کر تار گھر میں چلا گیا۔

حمید پچھلی رات سے شرارتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے قاسم کی تو وہ گت بنائی تھی کہ خدا کی پناہ۔ اس نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے قتل کی سازش میں پھنسوا دے گا۔ قاسم کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ حمید نے اُسے مرغا بنا دیا اور جب وہ مرغا بنا ہوا مرغے کی بولی بول رہا تھا تو حمید نے چپکے سے اس کی بیوی کو بلالیا...... پھر جو اس کی بیوی پر ہنسی کا دورہ پڑا ہے تو قاسم اسی وقت پھانسی پا جانے پر آمادہ نظر آنے لگا اور بدقت تمام حمید اسے اس حرکت سے باز رکھ سکا۔

فریدی باہر جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس کی نظر حمید پر پڑی جو برآمدے میں ایک جگہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"میں اتنا بے درد نہیں ہوں کہ کسی عورت کو پریشان دیکھ سکوں۔"

"کیا فضول بکواس ہے۔"

"آپ خود چل کر دیکھ لیجئے...... اس کی کار میں کچھ گھٹالا ہو گیا ہے۔"

"خیر میں دیکھ لوں گا" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "تم آفس کے آپریشن روم میں جا کر میری ایک کال کا انتظار کرنا۔"

"دیکھئے...... مجھ سے اس قسم کے مکھی مار کام نہ لیا کیجئے۔"

''جاؤ بکواس نہیں۔''

حمید چند لمحے خاموش رہا..... پھر بُرا سا منہ بنائے ہوئے چلا گیا۔

فریدی باہر آیا..... لورین ابھی تک انجن پر جھکی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی وہ سر اٹھا کر بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی تھی۔ فریدی چپ چاپ جا کر اپنی کیڈی لاک میں بیٹھ گیا۔ اُسے شاید ورین کی روانگی کا انتظار تھا۔

آخر کار کچھ دیر بعد ایک ٹیکسی ڈرائیور نے لورین کی مدد کی۔ انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

لورین کی کار تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ فریدی نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فریدی نے محسوس کیا کہ لورین یونہی اِدھر اُدھر چکر لگا رہی ہے۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے اپنی کار ہوٹل ڈی فرانس کے سامنے روک دی۔

جب وہ اندر چلی گئی تو فریدی بھی کیڈی لاک سے اُترا۔

لورین ایک کیبن میں بیٹھ چکی تھی۔ فریدی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھلے ہال میں بیٹھ گیا۔

لورین نے کھانا منگوایا اور فریدی کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔

لورین ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ ویٹر نے اسے ایک لفافہ لا کر دیا اس نے جلدی سے لفافہ چاک کیا اور خط نکال کر پڑھنے لگی۔ فریدی نے محسوس کیا جیسے کھانے میں اب وہ دلچسپی نہیں لے رہی ہے۔ اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کئے اور لفافے کو اپنے بیگ میں ٹھونستے ہوئے ویٹر سے بل کا تقاضہ کیا۔ پھر شائد پانچ منٹ کے اندر ہی اندر وہ وہاں سے روانہ ہو گئی۔

فریدی پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لورین کی کار ایک اونچی سی بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔

فریدی کو فوراً یاد آ گیا کہ اس نے تار کے فارم پر اپنے پتہ میں اسی بلڈنگ کا نام لکھا تھا۔

لورین کار سے اُتر کر اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگی۔ فریدی اطمینان سے کیڈی میں بیٹھا رہا۔ تار والے پتے کے فلیٹ کا نمبر اس کی نوٹ بک میں موجود تھا اور پھر اسے

اطمینان تھا کہ لورین ابھی پھر واپس آئے گی کیونکہ جہاں اس نے اپنی کار چھوڑی تھی و درحقیقت کار پارک کرنے کی جگہ نہیں تھی اور کسی وقت بھی ٹریفک پولیس کا آدمی کار کے مالک سے باز پرس کرسکتا تھا۔

فریدی انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس دوران میں ایک کانسٹیبل نے لورین کی کار کا ہارن بجایا۔ پھر وہ فریدی کی کار کی طرف پلٹا۔

''آپ جانتے ہیں کہ یہاں کار پارک کرنا منع ہے۔'' اس نے فریدی سے کہا۔ جو تاریکی میں تھا۔

''جانتا ہوں دوست......!'' فریدی باہر نکلتا ہوا بولا۔ کانسٹیبل چونک کر پیچھے ہٹ گیا اور اس نے گڑبڑا کر فریدی کو سلیوٹ کیا۔ شاید وہ اسے پہچانتا تھا۔

''میں اوپر جارہا ہوں......'' فریدی نے عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اگر مجھے پانچ منٹ سے زیادہ لگیں تو تم فلیٹ نمبر چھیالیس میں آسکتے ہو......دونوں گاڑیوں کو یہیں رہنے دینا......سمجھے۔''

پھر وہ اسے متحیر چھوڑ کر زینوں کی طرف بڑھا۔

تیسری منزل کی راہداری تاریک تھی۔ حالانکہ ابھی صرف نو ہی بجے تھے لیکن کسی فلیٹ کے دروازے یا کھڑکی میں روشنی نہیں آرہی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ پھر وہ چھیالیسویں فلیٹ کے دروازے پر رک گیا۔ دروازے کے شیشوں میں روشنی نہیں نظر آرہی تھی۔

فریدی نے آہستہ سے دستک دی۔ جواب ندارد......تین بار دستک دینے کے بعد اس نے آخر کار ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا......لیکن فوراً ہی ٹارچ نہیں روشن کی......کمرے میں اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔

اس نے ٹارچ روشن کی اور جہاں تھا وہیں جم گیا۔ روشنی کا دائرہ فرش پر پڑی ہوئی لورین کی لاش پر تھم گیا......فرش پر تازہ خون پھیلا ہوا تھا اور لڑکی کی آنتیں پیٹ کے باہر نکل آئی تھیں۔

فریدی نے سوئچ بورڈ تلاش کر کے روشنی کی۔

فلیٹ میں تین کمرے تھے لیکن کہیں بھی اسے اس قسم کے کوئی نشانات نہ ملے جن سے
اس کسی دوسرے آدمی کی موجودگی ثابت ہوتی۔

اتنے میں پولیس مین بھی فریدی کی ہدایت کے مطابق وہاں پہنچ گیا۔ اگر فریدی اسے
رانہ دیتا تو وہ چکرا کر گر ہی پڑتا۔

''جاؤ...... جلدی......!'' فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ''کوتوالی فون کردو...... کہہ دینا
یہاں موجود ہوں۔''

کانسٹیبل لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے واپس گیا۔

اب پھر فریدی لاش کی طرف متوجہ ہوا۔ قریب ہی لورین کا بیگ کھلا ہوا پڑا تھا اور ایک
ومال جس پر خون کا دھبہ تھا فریدی نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ رومال لورین ہی کا تھا کیونکہ
ریدی نے اسے ہوٹل میں اس سے پسینہ خشک کرتے دیکھا تھا اور شاید قاتل نے اس سے چھرا
صاف کیا تھا۔

فریدی نے قاتل کے لئے بھاگ دوڑ بے کار سمجھی کیونکہ یہاں آتے وقت ہی اس نے
محسوس کیا تھا کہ دوسری طرف بھی زینے موجود ہیں جو عمارت کی پشت کی طرف جاتے ہیں۔
رار کے لئے قاتل کو کافی وقت ملا ہوگا...... اور اس نے پچھلے ہی زینے استعمال کئے ہوں گے۔

فریدی نے اس کا ہینڈ بیگ فرش پر الٹ دیا۔ اس میں صرف آرائشی مصنوعات تھیں......
ور ایک لفافہ۔ غالباً یہ وہی لفافہ تھا جو ہوٹل ڈی فرانس کے ایک ویٹر نے لورین کو دیا تھا۔

فریدی نے مضطربانہ انداز میں اس کے اندر رکھا ہوا خط کھینچ لیا جس پر تحریر تھا۔

''ایک جاسوس تمہارا پیچھا کر رہا تھا...... تم فوراً تھارن ہل بلڈنگ پہنچو۔''

ساری حقیقت فریدی پر روشن ہوگئی۔ مجرم انتہائی ہوشیار ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کا کوئی
مشتبہ آدمی زندہ رہے۔ انہوں نے اس بہانے سے لڑکی کو یہاں بلا کر ختم کردیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آگئی اور پوری عمارت کا محاصرہ کرلیا گیا۔ حالانکہ یہ فضول سی
کاروائی تھی۔ لیکن روزناموں کی خانہ پری کے لئے نہایت ہی اہم۔

واپسی میں فریدی نے پچھلے زینے استعمال کئے۔ اس کی ٹارچ روشن تھی اور وہ خیالات میں ڈوبا ہوا آہستہ آہستہ زینے طے کر رہا تھا۔ اچانک وہ رک گیا۔ ٹارچ کی روشنی ایک مڑے تڑے کاغذ پر پڑ رہی تھی جس پر خون کے دھبے تھے۔ فریدی نے جھک کر اسے اٹھالیا۔ خون کے دھبوں کے علاوہ اس پر کچھ نشانات تھے جو پنسل سے بنائے گئے تھے۔ ایک گول نشان پر لکھا ہوا تھا۔ ''گول میز'' اور اس پر تھوڑے فاصلے پر ''سوئچ بورڈ'' تحریر تھا۔ پھر ایک چوکور نشان پر ''چوتھی میز'' لکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا جیب میں ڈال لیا اس پر خون میں ڈوبی ہوئی انگلیوں کے نشانات بالکل صاف تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل ڈی فرانس پہنچ گیا۔ اس ویٹر کو تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی جس نے لورین کو خط دیا تھا۔ لیکن فریدی کو اس سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ زیادہ کارآمد نہیں تھیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خط اسے ایک انگریز نے دیا تھا اور اتنے سے کام کی اجرت میں اس نے پانچ روپے وصول کئے تھے۔ ویٹر انگریز کا حلیہ نہیں بتا سکا اور اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ انگریز کم از کم روزانہ کے گاہکوں میں سے تو نہیں ہو سکتا تھا۔

آج شاید ناکامیوں کا دن تھا۔ گھر پہنچ کر فریدی نے حمید کو اپنا منتظر پایا اور اس نے جو اطلاع دی وہ حیرت انگیز بھی تھی اور مایوس کن بھی۔

''میجر نصرت کا پیغام ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''شیزان ہوٹل کا کمرہ نمبر اٹھائیس پچھلے ہفتے سے خالی ہے اور مسٹر براؤن نام کا کوئی آدمی وہاں کبھی تھا ہی نہیں۔''

گول میز

دوسرے دن فریدی اور حمید چند دوسرے آفیسروں کے ساتھ صمدانی کے نجی دفتر میں کاغذات کا جائزہ لے رہے تھے اور پچھلی رات والا قتل موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔

''کل اس بیچاری نے ہماری بڑی مدد کی تھی۔'' ایک آفیسر نے کہا اور پھر وہ اس بیچاری سے اس کے حسن پر اتر آئے۔

''اس قتل کا تصور ہی بڑا بھیانک ہے۔'' دوسرے نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آنتیں باہر نکل پڑی تھیں......آپکے رونگٹے تو کھڑے ہوگئے ہوں گے فریدی صاحب۔''

''اگر میرے جسم پر کھڑے ہوجانے والے رونگٹے ہوتے تو میں کسی یونیورسٹی میں لٹریچر کا پروفیسر ہوتا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میر و غالب یا کیٹس اور ورڈ سورتھ میں سر مارتا۔''

پھر فریدی کے کارناموں کے متعلق باتیں چھڑ گئیں۔

''بھئی وہ جیرالڈ شاستری[1] والے بن مانس آج تک میری سمجھ میں نہ آسکے۔'' ایک آفیسر دوران گفتگو میں بولا۔

''وہ کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''بہتیرے تو ان کی پیدائش کے طریقے کو ہی غپ سمجھتے ہیں۔ کئی اخبارات نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ یہ فریدی کا نیا شگوفہ ہے۔ جس کے ذریعے وہ سائنسدانوں میں سنسنی پھیلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک بہت ہی معمولی سی بات تھی۔''

میں مانتا ہوں کہ مشینوں کے ذریعے معجزے عمل میں آتے ہیں۔'' آفیسر بولا۔ ''لیکن ایک چھوٹے سے بندر کا منٹوں میں ایک گرانڈیل بن مانس کی شکل میں تبدیل ہوجانا سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔

''معجزے سمجھ میں آجائیں تو انہیں معجزے کون کہے گا۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''میں تو غپ ہی سمجھوں گا......آدمی کے ننھے سے بچے کو بڑھنے کے لئے بیس سال درکار ہوتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''پانی کو جمنے کے لئے سطح سمندر سے ایک مخصوص بلندی درکار ہوتی ہے۔ خط استواء سے ایک مخصوص فاصلہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن آپ یہاں مئی جون کی شدید گرمی میں برف استعمال کرتے ہیں۔ کیا وہ برف ہمالیہ کی چوٹی سے حاصل کی جاتی

---

[1] ''جنگل کی آگ'' جلد نمبر 21 ملاحظہ فرمائیے۔

ہے یا ٹنڈرا کے میدانوں سے؟ کیا برف جمانے والی مشین منٹوں میں پانی کو نقطہ انجماد تک نہیں پہنچا دیتی۔''

''لیکن کوئی مشین پانی کے بغیر برف نہیں مہیا کر سکتی۔'' آفیسر بولا۔

''ٹھیک ہے...... لیکن شاید آپ یہ بھول گئے کہ جیرالڈ کی مشینوں کے ذریعے دو آدمیوں کے جسم اس بندر کے جزو بدن ہوتے تھے تب وہ ایک بن مانس کی شکل اختیار کرتا تھا۔''

''تب تو اس طرح آدمی کا بچہ بھی منٹوں میں جوان ہو سکتا ہے۔''

''قطعی ہو سکتا ہے لیکن ذہنی حالت بچوں کی سی ہوگی۔ کیونکہ ذہنی نشو و نما کا تعلق تجربات سے ہے۔ اس کے لئے کم از کم بیس ہی سال درکار ہوں گے۔ خیر اسے چھوڑیئے یہ ایک الگ بحث ہے۔ آپ کو بندروں کے بڑھنے پر اعتراض ہے۔ اچھا یہ بتایئے کہ آدمی کا بچہ بیس سال میں کیسے بڑھتا ہے۔''

''اللہ کی مرضی! ہم کون ہوتے ہیں دخل دینے والے۔'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ اس پر ایک زوردار قہقہہ پڑا، لیکن جلد ہی ماحول نے پھر سنجیدگی اختیار کر لی۔

''اس میں قوت نما ہوتی ہے۔'' اس آفیسر نے کہا جس نے بحث چھیڑی تھی۔

''قوت نما کیا چیز ہوتی ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''بھئی میں نے زیادہ سائینس نہیں پڑھی۔'' آفیسر بولا۔

''قوت نما دراصل حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کی صلاحیت کو کہتے ہیں اور یہ صلاحیت انہیں غذا اور بعض دوسرے خارجی اسباب سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن غذا کو بھی ان پر اثر انداز ہونے کے لئے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور اس میں عرصہ لگ جاتا ہے۔ بہر حال وہ ریشے بیس سال تک بڑھتے رہتے ہیں اور اپنی حد کو پہنچ کر بڑھنے کی صلاحیت کھو دیتے ہیں۔ بیس سال میں آدمی کا قد قریب قریب پورا ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر بڑھنے کے امکانات نہیں رہتے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کا دارومدار غذا پر ہے۔ اب آیئے بندر کی طرف۔ اس کے حیاتیاتی ریشوں کو آدمیوں کے جسم سے مشین کے ذریعہ تیار شدہ

الملتی ہے اور وہ سالہا سال کی نشو ونما کے عمل کو ایک جست میں طے کرلیتا ہے۔"

"دیکھئے آپ نے بھی یہاں سے جست لگائی۔" آفیسر ہنس کر بولا۔ "بندر اور آدمی کی ہیت میں فرق ہے۔ بھلا بندر کا جسمانی نظام آدمی کے جسم سے حاصل کی ہوئی غذا کیسے قبول لے گا۔"

"بالکل اسی طرح جناب جیسے آپ کا جسمانی نظام بندر کے غدود کا آپریشن قبول کرلیتا ہے۔"

"ہیئر ہیئر......!" ایک دوسرے آفیسر نے تالی بجا کر قہقہہ لگایا۔ "ختم کرو یار......تم ریدی سے باتوں میں جیت نہیں سکتے۔ ہم جیسے مشغول آدمیوں کو اتنی فرصت کہاں کہ دنیا بھر کے مضامین چاٹتے پھریں۔"

"فرصت پیدا کی جاتی ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "آپ لوگوں کے تو صرف چند عدد بوی بچے ہوں گے۔ میرے پاس ساٹھ کتے ہیں۔ ساڑھے تین سو کے قریب سانپ ہیں رجنوں پرندے ہیں۔"

"لیکن افسوس ایک بیوی نہیں پالی جاتی۔" حمید آہستہ سے بولا......اور پھر سب ہنسنے لگے۔ فریدی کا قہقہہ سب پر حاوی تھا۔

"اچھا بس بس......!" ایک بوڑھا آفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہاں کئی کنوارے بھی ہیں......انہیں بدظن نہ کرو۔"

"میں تو برباد ہو ہی چکا۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

پھر سب ہنسنے لگے۔

"یار کام نپٹاؤ......!" بوڑھے نے کہا۔ "میں تو اس مکھی مار کام سے عاجز ہو چکا ہوں۔"

فریدی ایک دوسری الماری کھولنے کے لئے اٹھا اور جلدی میں اس کا پیر اس گول میز سے ٹکرایا جو ایک گوشے میں رکھی ہوئی تھی۔ فریدی نے الماری میں کنجی لگائی اور اسے گھماتے گھماتے چونک کر رہ گیا۔ وہ حیرت سے اس گول میز کو دیکھ رہا تھا جو ٹھوکر لگنے کے باوجود بھی نہیں ہٹی تھی۔ اس نے اسے پھر ٹھوکر ماری لیکن اس میں جنبش بھی نہ ہوئی اور جب اس نے

اسے اٹھانا چاہا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے پائے زمین میں دفن ہیں۔

اب اس نے غور سے میز کو دیکھا۔ اس کا اوپری تختہ تناسب سے کہیں زیادہ موٹا تھا۔ اس نے تختے کے نیچے ہاتھ ڈالا...... اور اس کا ہاتھ کسی ابھری ہوئی چیز سے ٹکرایا ہی تھا کہ ایک ہلکی سی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک تار لگا ہوا پلگ فرش پر گر پڑا۔

''گول میز......!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ اُسے وہ کاغذ کا ٹکڑا یاد آ گیا جو اسے تھارن ہل بلڈنگ کے زینے پر ملا تھا۔ وہ تیزی سے اپنے ہینڈ بیگ کی طرف جھپٹا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے لوگ اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ انہوں نے دھیان نہ دیا۔

فریدی کی نظریں کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ اور نشانات پر جم گئی تھیں۔ ''گول میز''، ''سوئچ بورڈ''، ''چوتھی میز'' اس نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ وہ اس آفس کا نقشہ تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ پر نظریں جمادیں جو گول میز کے اوپر کی دیوار سے لگا ہوا تھا۔

وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور میز کے نیچے سے پلگ اٹھا کر سوئچ بورڈ میں لگا دیا۔ فوراً ہی ہلکی سی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی اور ایک قریبی میز پر بیٹھا ہوا آفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس میز کے نیچے ایک تاریک خلاء تھی۔

''یہ کیا ہوا......؟'' سب لوگ بیک وقت چیخے اور ان کی نظریں فریدی کی طرف اٹھ گئیں جو سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے ساتھ نہ لیجئے ورنہ کام بڑھ جائے گا۔''

''آخر یہ ہے کیا......؟'' بوڑھے آفیسر نے پوچھا۔

فریدی نے جواب دینے کی بجائے سوئچ بورڈ سے پلگ نکال لیا اور میز کے نیچے کا فرش پھر برابر ہو گیا۔

"یہ غالباً کوئی میکانکی تہہ خانہ ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر پلگ لگا دیا..... تہہ خانے کا راستہ دوبارہ ظاہر ہو گیا۔

پھر جس بے تابی سے وہ سب اس تہہ خانے میں اترے اس کا بیان محال ہے۔ انہیں وہاں صرف ایک آہنی الماری نظر آئی جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن فریدی کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں تھیں۔

"ارے یہ کیا.....!" ان میں سے ایک آفیسر الماری کی طرف جھپٹا اور پھر انہوں نے اُسے الماری اور دیوار کے درمیانی رخنے سے کوئی چیز اٹھاتے دیکھا۔

"میرے خدا.....!" اٹھانے والے کے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکلی۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک اینٹ تھی جس کا وزن ایک پونڈ سے کسی طرح کم نہ تھا۔

فریدی نے ایک گہری سانس لی..... دوسرے لوگ اینٹ پانے والے آفیسر کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ لیکن فریدی خالی الماری کا جائزہ لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہوئے واپس آئے تو فریدی حمید کو لے کر باہر نکل گیا۔

"چوٹ ہو گئی بیٹے حمید۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

"کیوں.....؟"

"وہ یہاں سے کافی دولت نکال لے گئے۔ اس الماری میں نہ جانے کتنی اینٹیں رہی ہوں گی۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے! لورین کے تار کا مضمون یاد کرو..... یہی تو تھا..... میں وہاں پہنچ گئی ہوں لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی کسی ایکسپرٹ کو بھیجو۔"

"تو اس سے کیا.....؟"

"الماری کا میکنزم بڑا پیچیدہ ہے۔ وہ اُسے کھول نہ سکی ہوگی۔ لیکن بیچاری کو اس کا علم نہ

رہا ہوگا کہ خود اس کی حیثیت کیا ہے۔"

"لیکن آپ نے یک بیک تہہ خانہ کیسے دریافت کرلیا۔"

فریدی نے گول میز سے ٹھوکر لگنے کا واقعہ دہراتے ہوئے کہا۔"وہ خون آلود کاغذ کا ٹکڑا جو مجھے تھارن ہل بلڈنگ سے ملا تھا......اس پر دراصل اسی تہہ خانے کا نقشہ تھا ہوسکتا ہے کہ یہ نقشہ خود لورین نے ہی تیار کیا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ لورین ہی نے قاتل کو اس کے متعلق سمجھایا بھی ہو......لیکن وہ اس معاملے میں صرف مسٹر براؤن ہی کو جوابدہ تھی......جسے اس نے تار دیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ قاتل براؤن ہی رہا ہو......ورنہ وہ آسانی سے اسے نقشہ نہ دیتی۔"

"نہ دیتی......کمال کرتے ہیں آپ بھی......ارے اس نے اسے قتل کرنے کے بعد نقشہ حاصل کیا ہوگا۔"

"ناممکن......!" فریدی سر ہلا کر بولا۔"نقشہ پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھا۔ قتل کرنے سے قبل۔ اور وہ اسے ہاتھ میں دبائے ہوئے زینے تک آیا اور پھر اُسے نقشہ یاد آ گیا اس نے اسے جیب میں رکھنا چاہا لیکن وہ بے خیالی میں گر گیا۔ وہ جلدی میں یہ سمجھا کہ نقشہ جیب میں ہی گیا ہے۔ اگر قتل کرنے کے بعد نقشہ اس کے ہاتھ لگتا تو وہ اُسے ہاتھ میں لئے ہوئے زینے تک نہ آتا......شاید نقشہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہوتا۔ وہ نقشے کو پہلے ہی سمجھ چکا تھا اسی لئے اُس نے اُسے اتنی لاپرواہی سے جیب میں ڈالا کہ اس کے گر جانے کی خبر تک نہ ہوئی......نہیں فرزند......وہ یقیناً براؤن ہی تھا......اور چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ جس سے کام لیتا ہے اس کے پیچھے دو آدمی اس طرح لگائے رکھتا ہے کہ انہیں اس کی خبر نہیں ہوتی۔"

"تو کیا صمدانی کا قتل محض اس سونے کی وجہ سے ہوا۔" حمید نے کہا۔

"یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ سونا تو اس کی زندگی ہی میں اڑایا جاسکتا تھا۔ لورین بہرحال اس کی معتمد خاص تھی۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ لورین صمدانی کے پاس کب اور کن حالات میں آئی۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔"مگر وہ براؤن......شیزان ہوٹل میں تو اس نام کا کوئی

آدمی کبھی تھا ہی نہیں۔"

"اور اسی بناء پر میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ شیزان ہوٹل اس کا مستقل اڈہ ہے۔"

"چلئے کچھ تو سراغ ملا......!" حمید طویل سانس لے کر بولا۔

"ہم ان واقعات کا فی الحال کسی سے تذکرہ نہیں کریں گے۔"

"لیکن تہہ خانہ......وہ اینٹ......اُسے تو سب نے دیکھا ہے۔"

"فکر نہ کرو......انہیں ان کے متعلق خیال آرائیاں کرنے دو۔ اخبارات میں دلچسپ کہانیاں نظر آئیں گی۔"

فریدی کا خیال درست نکلا۔ اُسی شام کے اخبارات میں صمدانی کے پرائیویٹ خفیہ تہہ خانے کے متعلق نت نئی کہانیاں نظر آئیں لیکن خالی الماری اور سونے کی اینٹ کے بارے میں قریب قریب سب نے ایک ہی خیال ظاہر کیا تھا اور یہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ایک معمولی ذہانت کا آدمی بھی اُس کے متعلق یہی کہہ سکتا تھا کہ وہ الماری خالی نہ رہی ہوگی اور اُسے صمدانی کے بجائے کسی دوسرے ہی آدمی نے خالی کیا ہوگا۔ ورنہ ایک اینٹ اس طرح سے نہ رہ جاتی۔

اُسی دن پولیس آفیسروں پر ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا۔ لیکن اُسے حالات کے اعتبار سے غیر متوقع بھی کہا جا سکتا تھا۔ لورین کے اچانک قتل سے یہ بات سامنے آگئی۔ ایک مجسٹریٹ نے پولیس کو اطلاع دی کہ اس نے دو ماہ قبل لورین اور صمدانی کے سول میرج کے سرٹیفکیٹ پر دستخط کئے تھے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ صمدانی اس شادی کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتا تھا۔ اس نئی دریافت پر کیس اور بھی الجھ گیا۔

فریدی اس نئی سچویشن پر بڑی دیر سے غور کر رہا تھا......اور سرجنٹ حمید نے اپنے ذہن کو بالکل چھٹی دے رکھی تھی۔ وہ شاید آدھے گھنٹے سے کوشش کر رہا تھا کہ اس کا بکرا منہ میں تمباکو نوشی کا پائپ دبانا سیکھ جائے۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ دوبار اُس نے جھلا کر بکرے کے منہ پر تھپڑ بھی مارے اور جب بالکل ہی تنگ آ گیا تو اسے ایک لات رسید کر کے

بولا۔ ”سالے تم بکرے ہو اور ہمیشہ بکرے ہی رہو گے۔ میں تمہیں کسی طرح بھی ریاضی کا پروفیسر نہیں بنا سکوں گا۔“

فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور اس نے ان دونوں کو دھکے دے کر کمرے سے باہر نکال دیا۔

لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ وہ اس کیس کے بعض پہلوؤں پر بحث کرنا چاہتا تھا۔ حمید لاکھ غیر سنجیدہ سہی لیکن بارہا کے تجربات شاہد تھے کہ اس کی بے تکی باتوں ہی میں فریدی کو اکثر گتھیوں کا حل مل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی کمرے سے باہر نکلا۔ حمید بیرونی برآمدے میں تھا اور شاید اب پہلے کی طرح غیر سنجیدہ بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ اس نے خود ہی لورین کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

”اس نئی دریافت کی بناء پر کیس اور زیادہ الجھ گیا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”ظاہر ہے کہ لورین مجرموں کی آلہ کار تھی لیکن اس صورت میں اس کا قتل صمدانی کے قتل کے مقصد کو اور زیادہ تاریکی میں پھینک دیتا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ان دونوں کی شادی کا مقصد لورین کے لئے حصول دولت تھا تو پھر انہوں نے اسے بھی کیوں قتل کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مجرم اس کے ذریعے صرف اس الماری تک پہنچنا چاہتے تھے تو پھر آخر صمدانی کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام اس کے بغیر بھی ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کی بیوی ہی تھی کبھی نہ کبھی تہہ خانے کے راز سے واقف ہو جاتی۔“

”واقعی صمدانی کے قتل کا مقصد اس انکشاف سے بالکل ہی تاریکی میں جا پڑتا ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اور لورین کو زندہ رکھ کر نہ صرف وہ الماری کی دولت ہی سمیٹ سکتے تھے بلکہ صمدانی کے پورے کاروبار پر بھی قابض ہو سکتے تھے۔“

”اسی بناء پر میں فی الحال سجاد صمدانی کا خیال ذہن سے نکال دینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔“

”اس کی رائے میں نہیں دوں گا۔“ حمید بولا۔

”میں نے لفظ فی الحال استعمال کیا ہے۔ ویسے وہ میری لسٹ پر موجود ہے۔“

فریدی شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن اس دوران میں شام کی ڈاک آ گئی۔ فریدی بعد دیگرے لفافے کھولتا رہا اور پھر اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ایک لفافہ حمید طرف بڑھایا۔

سفید کاغذ پر ایک مختصر سی تحریر ٹائپ کی ہوئی تھی۔

''اگر موت ہی کی خواہش ہے تو میرے معاملات میں ضرور ٹانگ اڑاؤ میں کسی وقت بھی تم سے بہت زیادہ دور نہیں۔

براؤن۔''

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔

انور اور آصف

کرائم رپورٹر انور نے انگڑائی لی اور چادر کو پیروں سے اچھال کر اٹھ بیٹھا۔ آٹھ بج چکے لیکن ابھی تک اس کی سرخ سرخ آنکھیں نیند کے بوجھ سے دبی جا رہی تھیں۔ اس نے ہانے والی ٹی پائی سے سگریٹ کا ڈبہ اٹھایا اور سگریٹ کو ہونٹوں میں دبا کر جلانے ہی والا تھا رشیدہ آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔

''تم نے بُری طرح اپنی گردن پھنسالی ہے...... سمجھے۔'' اس نے دھیمی آواز میں غصہ کہا۔

''کوئی نئی بات کرو...... یہ اطلاع بہت پرانی ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگا کر دیا سلائی پر اچھال دی۔

''آصف انتظار کر رہا ہے۔''

''جھک مارنے دو اُسے۔''

''اس کی جیب میں ہتھکڑیاں ہیں۔''

''اوہ......!'' انور مسکرا کر چڑھانے والے انداز میں بولا۔''تو مجھے پھانسی ہو جائے گی

''دیکھو بکواس مت کرو......ایسے موقع پر اُس سے جھگڑا نہ مول لینا۔''

''فکر نہ کرو۔'' انور نے پلنگ چھوڑ دیا۔ اس نے میز سے ٹوتھ پیسٹ اور برش اٹھا ہوئے کہا۔

''میری جیب بالکل خالی ہے اور اس وقت آصف ہی ہمارے ناشتے کا انتظام کر گا......سمجھیں۔''

دوسرے کمرے میں انسپکٹر آصف انور کا منتظر تھا۔ غسل خانے تک پہنچنے کیلئے اس کمر سے گزرنا ضروری تھا۔ انور نے بڑے دوستانہ انداز میں آصف سے مصافحہ کیا۔ لیکن آ نے اپنے چہرے پر سختی کے آثار پیدا کر رکھے تھے۔ وہ کلف دیئے ہوئے کالر کی طرح اکڑا ر

''میں ایک منٹ میں آیا۔'' انور نے کہا اور غسل خانے کی راہ لی۔ رشیدہ آصف سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے توقع تھی کہ آصف انور کی غیر حاضری کے دوران کچھ نہ بولے گا۔ لیکن وہ بدستور خاموش بیٹھا رہا۔ رشیدہ نے بھی اسے چھیڑا نہیں۔

انور غسل خانے سے آنے کے بعد آئینے کے سامنے بال درست کرنے لگا۔ چند بعد اس نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔''آج کل میں کچھ حسین ہوتا جا رہا ہوں......کیوں؟''

''جیل میں کبھی حجام سے ملاقات نہیں ہوتی۔'' آصف اسے گھور کر بولا۔

''یہ بہت بُری عادت ہے......میں عنقریب جیل سدھارنے کے متعلق ایک مضمون والا ہوں۔''

''شاید وہ جیل ہی میں مکمل ہو۔''

''کیوں؟ کیا مجھے جیلوں کا دورہ کرنے کا موقع دیا جائے گا۔''

''ہمیں فضول باتوں میں نہ پڑنا چاہئے۔'' آصف بولا۔''اس بار تمہیں کسی طرح نہ چھوڑ سکتا۔''

''تم ہی مجھے چھوڑ دو گے تو پھر پوچھے کون۔'' انور نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔''

''میرے پاس ہتھکڑیاں ہیں...... سمجھے۔''

''تمہارے پاس ہتھکڑیاں ہیں...... سمجھا......!''

''مجھے موٹر سائیکل کی چوری کی داستان پر یقین نہیں ہے۔'' آصف غرایا۔

''اچھے آدمی بری باتوں پر کبھی یقین نہیں کرتے۔ شیخ سعدی نے فرمایا ہے.....''

''میں یہاں وقت برباد کرنے نہیں آیا ہوں۔'' آصف نے جھلا کر بات کاٹ دی۔

''میں جانتا ہوں کہ تم ہمیں چائے پلواؤ گے۔''

''تم نے صمدانی کا تعاقب کیوں کیا تھا......؟''

''اوہو......'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''تو تم اس لئے آئے ہو۔''

آصف جواب دینے کی بجائے انور کو گھورتا رہا۔

''میں خود تمہاری تلاش میں تھا......!'' انور پھر بولا۔ ''میرے پاس چند قیمتی معلومات ہیں۔''

''کیا......؟'' آصف کے چہرے کی سختی یک بہ یک دور ہوگئی۔ لیکن یہ قطعی غیرارادی طور پر ہوا تھا کیونکہ آصف نے احساس ہوتے ہی پھر سے خود کو سنبھالنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

''نیچے چلتے ہیں......وہیں باتیں ہوں گی۔'' انور نے کہا اور رشیدہ کو آنکھ مار کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

رشیدہ کھڑی ہوگئی اور اسی کے ساتھ آصف بھی اٹھا۔ لیکن یہ بھی غیرارادی طور پر ہوا تھا انور نے آصف کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار صاف پڑھ لئے تھے۔ اس لئے اس کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی۔

باہر نکل کر رشیدہ نے دروازہ مقفل کیا اور وہ نیچے آئے۔ انور قریب ہی کے ایک ریستوران میں گھس گیا۔ اب آصف کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ ان کا ساتھ دے۔

انور نے ایک لمبے ناشتے کا آرڈر دیا۔ اس کا رویہ آصف کے ساتھ بڑا دوستانہ تھا۔

''ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا چچا آصف۔'' انور نے کہا۔ ''کہ اس کیس میں تمہارے لئے ترقی کے بڑے امکانات ہیں۔''

''بڑی مہربانی۔'' آصف طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''لیکن تمہیں اس کیلئے نہ پریشان ہونا چاہئے۔''

''تمہیں میرے خلوص پر کبھی یقین نہ آئے گا۔''

''کام کی باتیں کرو......!'' آصف اپنی پیالی میں شکر گھولتا ہوا بولا۔

''پہلے تو جتادوں کہ موٹر سائیکل والے معاملے میں مجھے ذرا برابر بھی پریشانی نہیں۔ اگر یہاں کسی پولیس والے نے مجھے پھانسنے کی کوشش کی تو اس کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔''

''چلو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں......تم ہمیشہ یہی بکتے رہتے ہو۔''

''اور مجھے یقین ہے کہ میں نے صرف زبان ہی سے نہیں کہا۔''

''خیر......وہ اطلاعات کیا تھیں۔''

''پہلی تو یہ کہ آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔''

''اڑنے لگے۔'' آصف بھنا کر رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''دوسری اطلاع یہ کہ فریدی صاحب سجاد صمدانی کی تلاش میں یورپ کا دورہ کرنے والے ہیں۔''

''اُسے تو بس بہانہ چاہئے۔'' آصف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''اسی بہانے مفت کی تفریح ہاتھ آئے گی۔''

''تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اخراجات تمہارا محکمہ برداشت کرے گا۔'' انور نے کہا۔

''جہنم میں ڈالو......تم مجھے کیا بتانے والے تھے۔''

''یہی کہ اس کا تعلق سجاد صمدانی سے ہو سکتا ہے۔''

''اور لورین کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔'' آصف نے کہا۔

''وہ سجاد ہی نے کرایا ہوگا۔ اب تو یہ بات اچھی طرح مشہور ہو چکی ہے کہ وہ صمدانی کی

ہوئی تھی۔"

"لیکن تھارن ہل بلڈنگ سے اس کا کیا تعلق......!"

"ارے تعلق تم معلوم کرو...... یہ پولیس کا کام ہے۔"

"لیکن تمہارا اس معاملے میں کیا تعلق ہے۔" آصف نے کہا۔

"تھارن ہل بلڈنگ کا کرایہ میں ہی وصول کرتا ہوں۔" انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔ وہ ناشتہ ختم کر چکے تھے۔

"تو تم سیدھی طرح نہیں بتاؤ گے۔"

"اور کیا بتاؤں۔"

"دیکھو میں سچ مچ تمہیں بند کرادوں گا۔"

"ابھی تک تو کوئی ایسا نہیں پیدا ہوا۔"

میں نے ایسے گواہ مہیا کر لئے ہیں جنہوں نے تمہیں صمدانی کی کار کا تعاقب کرتے دیکھا تھا۔

"میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "غالباً اس خبر سے لیڈی رامرزجی کو بھی خوشی ہوگی۔"

رشیدہ کو اس نئے نام کے حوالے سے حیرت ہوئی اور وہ آصف کی طرف دیکھنے لگی جس کا چہرہ دفعتاً پھیکا پڑ گیا تھا۔ سگریٹ کا ڈبہ کھولتے وقت اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔

پھر آصف نے ایک اعصاب زدہ قہقہہ لگا کر کہا۔ "تم دھمکیوں میں نہیں آؤ گے۔"

"ظاہر ہے کہ میری معلومات بہت وسیع ہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ...... کیا فریدی سچ مچ یورپ جائے گا۔" آصف نے پوچھا۔

"کیا تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔ یہ خبر کل شام ہی پریس میں پہنچ گئی تھی۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اگر تم فریدی کے متعلق معلومات حاصل کرنے آئے ہو تو میں بالکل مجبور ہوں۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

''مجھے اس سے کیا سروکار...... میں دراصل یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اپنی ٹانگ کیوا اڑاتے پھر رہے ہو۔''

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ موٹر سائیکل کے چور کو پکڑ سکوں۔''

''مجھے قیامت تک یقین نہ آئے گا کہ وہ چرائی گئی ہے۔''

''اچھی بات ہے تو پھر قیامت ہی کے دن اس کے متعلق مزید گفتگو کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک تم اپنی رائے بدل دو۔''

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر آصف مسکرا کر بولا۔ ''تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے مجھے پھانس کر چائے پی ہے۔ میں پہلے ارادہ کر چکا تھا۔ تمہیں دھمکانے میں مجھے لطف آتا ہے۔''

''روز صبح آ کر دھمکا جایا کرو پیارے۔'' انور نے بڑی لجاجت سے کہا اور رشیدہ ہنس پڑی۔ آصف بھی کھسیانی ہنسی ہنس رہا تھا۔

اس کے بعد اس نے ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ رشیدہ کو سخت حیرت تھی کہ یک بیک وہ سیدھا کیوں ہوگیا۔ کیا یہ سب لیڈی فرامرز جی کے نام کی وجہ سے ہوا تھا۔

آصف نے بل کے دام چکائے اور عدیم الفرصتی کا رونا روتا ہوا اٹھ گیا۔

انور، رشیدہ اس کے جانے کے بعد بھی بیٹھے رہے۔

''کیا تم نہیں سمجھیں کہ لیڈی فرامرز جی کے حوالے پر اس کی روح فنا ہوگئی تھی۔''

''لیکن کیوں......!''

''لیڈی فرامرز جی کو جانتی ہو۔''

''نہیں......!''

''ایک مال دار بیوہ ہے۔ آصف نے پچھلے ماہ اپنی نگرانی میں اس کا حمل ساقط کرایا تھا۔''

''ارے...... یہ آصف......!''

''تم غلط سمجھیں...... حمل آصف کا نہیں تھا۔ وہ تو صرف لیڈی فرامرز جی کا دوست ہے۔''

''خدا غارت کرے۔''

''اور اسی لئے وہ سیدھا ہو گیا۔'' انور نے کہا۔ ''اگر ضرورت پڑے تو میں اس ڈاکٹر کو بھی
ِالت میں کھینچ سکتا ہوں۔''

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر انور بولا۔ ''میں تو ایک ماہ کی چھٹی لے رہا ہوں۔''

''کیوں......؟''

''مجھے کام مل گیا ہے......اور اجرت توقعات سے زیادہ ملنے کی امید ہے۔''

''کیسا کام......؟''

''سجاد صمدانی کا جنرل منیجر چاہتا ہے کہ میں اس کے لئے اس کیس کی تفتیش کروں۔''

''آخر وہ کیوں چاہتا ہے۔''

''کیوں؟ کیا سجاد کی حیثیت مشتبہ نہیں ہے اور پھر صمدانی کا سارا کاروبار اس کی طرف
تقل ہونے والا ہے۔ اس لئے جنرل منیجر کی تشویش بالکل قدرتی ہے۔''

''لیکن میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔ اس طرح تمہیں فریدی صاحب سے ٹکرانا
ڑے گا۔''

''اس کا سوال ہی پیدا نہ ہونے پائے گا۔ اگر میں نے یہ دیکھا کہ اس معاملے میں سجاد یا
س کے آدمیوں ہی کا ہاتھ ہے تو میں الگ ہو جاؤں گا۔''

''تو کیا فریدی صاحب سچ مچ یورپ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔''

''پتہ نہیں......!''

''تم نے فریدی صاحب کو اس سے مطلع کیا یا نہیں۔''

''ضروری نہیں سمجھتا۔''

''ارے یہ کمبخت کہاں سے آمرا۔'' رشیدہ نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

قاسم سڑک پار کر کے ریستوران کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے انور اور رشیدہ کو یہاں بیٹھے
ِیکھ لیا تھا۔ وہ شاید انور کے فلیٹ میں گیا تھا اور اُسے مقفل دیکھ کر جا رہا تھا کہ اس کی نظر ان
ِونوں پر پڑ گئی۔

''یہ کیا مصیبت آ گئی۔'' انور بڑبڑایا۔

''اخاہ......آپ لوگ یہاں ہیں۔'' قاسم نے دروازہ ہی سے ہانک لگائی اور دوسرے لوگ چونک کر اسے گھورنے لگے۔

جب وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تو انور نے آہستہ سے کہا۔ ''یار تم کچھ دنوں کے لئے ہم سے علیحدہ ہی رہو۔''

''کیوں......؟''

''ابھی تک پولیس کو اُس گرانڈیل آدمی کی تلاش ہے۔''

''تو میرے چہرے پر ڈاڑھی کہاں ہے۔''

''ڈاڑھی صاف بھی تو کی جاسکتی ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا......تم ہی نے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا ہے۔''

''ذرا آہستہ......!'' انور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''قاسم صاحب! بہت اچھے آدمی ہیں۔'' رشیدہ نے جلدی سے کہا۔ ''اگر تم کہو تو وہ گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیں گے۔''

''ابھی ابھی ایک سی۔آئی۔ڈی انسپکٹر یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔'' انور بولا۔

''تو کیا پھر میں چلا جاؤں۔'' قاسم نے بڑی مغموم آواز میں پوچھا اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔

''عقل مندی کا تقاضا یہی ہے۔''

''حمید کو معلوم ہو گیا ہے۔'' قاسم آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔

''فکر نہ کرو......وہ خاموش ہی رہے گا۔ اب تم جاؤ۔''

قاسم بادل ناخواستہ اٹھا تھا اور لڑکھڑاتا ہوا ریستوران سے نکل گیا۔

انور اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔ ''واقعی میں بہت بڑا احمق ہوں۔ مفت کی بلا گلے لگالی۔ لیکن وہ محض تمہاری وجہ سے آتا ہے۔''

''تم گدھے ہو۔'' رشیدہ جھینپ کر بولی۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر انور نے کہا۔ ''میں آج رام گڑھ کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔''

''کیوں......رام گڑھ کیوں؟''

''میرا خیال ہے کہ وہیں بدمعاشوں کا ہیڈ کوارٹر ہے......لورین نے قتل ہونے سے چند گھنٹے پیشتر رام گڑھ میں شیزان ہوٹل کے پتہ پر ایک تار روانہ کیا تھا۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

بس معلوم ہو گیا۔ تار گھر میں میرے کئی دوست ہیں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ فریدی صاحب نے کوئی تار چھ گھنٹوں کے لئے رکوایا ہے۔ اس تار کے فارم کو میں نے بھی جا کر دیکھا۔ کسی کرسچیانا نے تھارن ہل بلڈنگ سے روانہ کیا تھا اور جب تھارن ہل بلڈنگ کے اسی فلیٹ میں لورین کی لاش ملی جو تار کے پتے میں موجود تھا تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ''کرسچیانا'' لورین ہی ہو سکتی تھی......تار کسی مسٹر براؤن کے نام پر بھیجا گیا تھا۔ مضمون یہ تھا......میں وہاں پہنچ گئی ہوں لیکن کچھ سمجھ نہیں سکتی......کسی ایکسپرٹ مکینک کو بھیجو۔''

''پھر تم نے اخبارات میں صمدانی کے پوشیدہ تہہ خانے اور الماری کے متعلق بھی پڑھا ہوگا......اور وہ سونے کی اینٹ......خبر میں یہ بھی تھا کہ الماری کا میکنزم بڑا پیچیدہ خیال کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ ہو سکتا ہے لورین نے اسی الماری کو کھولنے کے لئے کسی ایکسپرٹ مکینک کو طلب کیا ہو۔''

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی براؤن اسی ہوٹل میں مقیم ہوگا۔'' رشیدہ نے کہا۔

''یہ مسئلہ غور طلب ہے۔''

''خیر......میں بھی چلوں گی......اس طرح میں اس حیرت انگیز عجوبے کو بھی دیکھ سکوں گی۔''

''کس حیرت انگیز عجوبے کو۔''

''اوہو......یہ خبر تو ریڈیو پر بھی آئی تھی۔''

''کون سی خبر......!''

''رام گڑھ ہی کے متعلق تھی۔ وہاں ایک حیرت انگیز آدمی دیکھا گیا ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی پر کمر سے گردن تک گھوڑے کی ایال کے سے بال ہیں۔ اور وہ گھوڑوں ہی کی طرح گھاس چرتا ہے اور خود کو سلیمان پیغمبر کا گھوڑا کہتا ہے اتنا تیز دوڑتا ہے کہ ابھی تک اسے کوئی پکڑ نہیں سکا۔''

''بنڈل......!'' انور منہ بنا کر بولا۔ ''سرے سے بکواس...... ایک اخبار سے منسلک ہونے کے باوجود ابھی تک ان لغویات پر یقین رکھتی ہو۔ کیا ہم خالی جگہوں کو ایسی ہی حیرت انگیز خبروں سے نہیں بھرتے...... چار پیروں والا چوزہ...... ہاتھی نے انڈے دیئے...... لاطینی بولنے والا گدھا......وغیرہ وغیرہ۔''

خوفناک چہرہ

حمید بالکنی میں کھڑا دور کی پہاڑیوں میں غروب ہوتے ہوئے سورج کا منظر دیکھ رہا تھا۔ آج صبح وہ رام گڑھ پہنچا تھا اور شیزان ہوٹل ہی میں مقیم تھا۔ اُسے خوشی تھی کہ فریدی سے دور رہ کر تفریح کا ایک موقع ہاتھ آیا۔ فریدی نے اُسے تنہا ہی اس مہم پر روانہ کیا تھا۔ حالانکہ حمید اسے تضیع اوقات ہی سمجھتا تھا لیکن اس نے فریدی کی مخالفت نہیں کی۔ ورنہ وہ اس بات پر اڑ سکتا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ یورپ جانا پسند کرے گا۔

یورپ والی بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سجاد کی تلاش......اور وہ بھی کسی شہر یا ملک میں نہیں بلکہ ایک براعظم میں۔ بڑا احمقانہ خیال تھا اور پھر آخر سجاد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اُسے تو صرف اُس پراسرار انگریز براؤن کی تلاش ہونی چاہئے تھی جو سازش کا سرغنہ تھا۔ اگر بفرض محال فریدی سجاد تک پہنچ بھی جاتا تو وہ اسے مجرم کس طرح ثابت کرے گا جب تک کہ براؤن نہ ہاتھ آجائے اور پھر یہ بھی ضروری ہی نہیں تھا کہ براؤن سجاد ہی کا آدمی رہا ہو۔

بہرحال بات حمید کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

حمید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ہوسکتا ہے فریدی کم سے کم وقت میں اس کیس کو نپٹانا چاہتا ہو۔ اسی لئے خود سجاد کی تلاش میں جارہا ہو اور اسے براؤن کے لئے رام گڑھ بھیج دیا ہو۔ مگر سوال تو یہ تھا کہ کیا سجاد ہی قتل کی سازش کا محرک ہوسکتا ہے؟ امکانات موجود تھے مگر پیش آئے ہوئے واقعات کی بناء پر ایک بہت ہی اہم نکتہ اس کی تردید کردیتا تھا۔ اگر ان حادثات میں سجاد ہی کا ہاتھ تھا تو لورین کا وجود اس سارے سٹ اپ میں بھرتی کی چیز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ فضول اور بے مصرف...... ظاہر ہے کہ سجاد صمدانی کے ترکے کیلئے لورین کیوں آلہ کار بنائی گئی اور پھر چوری کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قاتلوں کو صرف اس الماری کی ضرورت تھی اسی لئے انہوں نے لورین کو بھی ختم کردیا۔ لورین صمدانی کی بیوی تھی اور قانوناً صمدانی کے ترکے کے کچھ حصے کی مالک بھی ہوسکتی تھی۔ بہرحال ان حالات کی بناء پر سجاد کو مشتبہ سمجھنا صحیح الدماغی کی دلیل نہیں تھی۔ حمید کی دانست میں صمدانی کا قتل صرف سونے کی اینٹوں کیلئے ہوا تھا۔

سورج پہاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا اور افق میں شوخ رنگوں کے لہریئے نظر آنے لگے۔ حمید بارجے پر کہنیاں ٹیکے خیالات میں غرق رہا۔ صبح سے اب تک اسے ہوٹل میں کوئی ایسی بات نہیں نظر آئی تھی جو اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالیتی۔ البتہ وہ دن بھر اس عجیب الخلقت آدمی کے تذکرے سنتا رہا تھا جو ارجن گھاٹی میں اکثر دکھائی دیتا ہے۔ جس کی پشت پر گھوڑے کی ایال کے سے بال ہیں اور جو خود کو حضرت سلیمان کا گھوڑا کہتا ہے اور زیادہ تر بگڑی ہوئی فرانسیسی زبان بولتا ہے۔

حمید نے کچھ دن پہلے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا تھا لیکن اسے غپ سے زیادہ وقعت نہ دی تھی اور اب بھی اُسے غپ ہی سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ اس نے کئی آدمیوں کو ''چشم دید'' واقعات دہراتے سنا تھا۔ لیکن وہ ایسے آدمیوں کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف تھا۔ ایسے لوگ جب اپنی داستان گوئی کے فن میں ناکامی کی صورت دیکھ لیتے ہیں تو انہیں اس پر ''چشم دید'' کا لیبل چپکاتے دیر نہیں لگتی۔

بہرحال حمید سوچ رہا تھا کہ یہاں وقت اچھا گزرے گا شیزان ہوٹل اعلیٰ قسم کے ہوٹلوں میں سے تھا اور اونچے ہی طبقے کے لوگ یہاں قیام کرتے تھے۔ اس نے کئی خوبصورت لڑکیاں آتے ہی دیکھ لی تھیں۔ اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ افق میں رنگوں کے لہریئے گہرے ہوتے جارہے تھے اور ڈھلوانوں میں رینگنے لگے تھے۔

دفعتاً حمید چونک پڑا۔ ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے والی ایک کار سے انور اور رشیدہ اتر رہے تھے۔

ان دونوں کی آمد نہ صرف غیر متوقع بلکہ حیرت انگیز بھی تھی۔ حمید تیزی سے نیچے آیا۔ ہال میں اس نے ایک پورٹر کو ان کا سامان اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے پیچھے وہ دونوں تھے۔ وہ دونوں حمید کے قریب سے گزر کر کاؤنٹر کلرک کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے اُسے نہیں پہچانا کیونکہ وہ اپنی اصلی شکل میں تھا ہی نہیں۔ فریدی ہی نے اس کا میک اپ کیا تھا اور اس نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام کیپٹن پرکاش لکھا تھا۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ آخر یہ دونوں یہاں کیسے پہنچے۔ انہیں شیزان ہوٹل کے متعلق کیسے معلوم ہوا۔ کیا فریدی نے انور کو براؤن کے متعلق بتا دیا تھا اگر یہ بات تھی تو اس نے اس سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔

انور نے ہوٹل کی رجسٹر میں دستخط کیۓ اور پورٹر انہیں ان کا کمرہ دکھانے کیلئے ساتھ لے گیا۔

اتنے میں دو لڑکیاں ہال میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے اپنے کاندھوں سے ناشتے کے تھیلے اور تھرماس لٹکا رکھے تھے۔ ان کے چہروں پر تھکن کے آثار تھے۔ حمید نے انہیں صبح بھی دیکھا تھا۔ وہ شیزان ہی میں مقیم تھیں۔ انہیں دیکھ کر ایک بوڑھی عورت ان کی طرف بڑھی۔

''اوہ ممی......!'' ان میں سے ایک بولی۔ ''بالکل سچ ہے! ہم نے اسے دیکھا...... گھاس چرتے دیکھا...... وہ بے تکان چھلانگیں مارتا ہوا اونچی اونچی چٹانوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔''

وہ قریب ہی کی میز پر بیٹھ گئیں۔

''کیا وہ کپڑے نہیں پہنتا۔'' بوڑھی نے پوچھا۔

''صرف ایک پتلون۔'' لڑکی کاندھے سے تھیلا اور تھرماس اتارتی ہوئی بولی۔ ''کتھئی رنگ کی پتلون۔ پیٹھ ننگی، جس پر بڑے بڑے بالوں کی لکیر کمر سے گردن تک پھیلی ہوئی ہے۔ اوہ ممی...... دیو ہے دیو...... ایسے ابھرے ہوئے مسلس میں نے آج تک نہیں دیکھے۔''

''گھاس چرتا ہے۔'' بوڑھی نے پوچھا۔

''ہاں ممی...... بہت تیزی سے۔ آدمی تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کتنا تیز دوڑتا ہے اُف فوہ...... کئی آدمی اس کے پیچھے دوڑے تھے۔ مگر اسے نہ پا سکے۔ وہ پہاڑیوں پر اس طرح دوڑتا ہے جیسے سپاٹ میدان میں دوڑ رہا ہو۔''

''کیا وہ پائپ بھی پیتا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

لڑکیاں ہنس پڑیں۔ لیکن بوڑھی حمید کو گھورنے لگی۔ حمید گڑبڑا گیا۔

''دخل دہی کی معافی چاہتا ہوں......'' حمید نے مودبانہ کہا۔ ''بات یہ ہے کہ میں نے ابھی اسے نہیں دیکھا۔''

''ضرور دیکھئے۔'' وہی لڑکی بولی جو بہت زیادہ بول رہی تھی اور بولتے وقت اس کی آنکھیں جوش سے چمکنے لگتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے پورے وجود سے بے پرواہ ہو۔ علاوہ ہلتے ہوئے ہونٹوں کے۔

''میں ضرور دیکھوں گا......'' حمید نے کہا اور وہاں سے ہٹ ہی جانے میں عافیت سمجھی کیونکہ بوڑھی عورت اُسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

حمید کو بے ساختہ اپنا بکرا یاد آ گیا۔ اگر برخوردار بغرا خاں ہوتا تو یہ بوڑھیا بھی اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتی۔

رات کو رقص گاہ میں حمید رشیدہ سے ٹکرا گیا۔ لیکن اسے اپنی آواز پر قابو نہیں تھا اس لئے وہ منمنائی ہوئی آواز میں شروع سے آخیر تک انگریزی میں گفتگو کرتا رہا۔

اس نے اس سے رقص کے لئے درخواست کی...... جو بلا حیل و حجت منظور کر لی گئی۔ حمید نے رقص کے فرش پر ہلکورے لیتے ہوئے رشیدہ سے پوچھا۔

''کیا آپ وہ گھوڑا دیکھنے آئی ہیں۔''

''کیا آپ نے دیکھا ہے۔'' رشیدہ نے سوال کیا۔

''جی ہاں مجھے بہت ہی قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔''

''کیا وہ باتیں بھی کرتا ہے۔''

''جی ہاں...... بالکل اخبار کے رپورٹروں کی طرح بڑنگ کرتا ہے۔''

اس بات پر رشیدہ بُری طرح چونکی اور کچھ مضطرب سی بھی نظر آنے لگی۔ پھر اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ حمید کی بکواس پر صرف ''ہاں......ہوں'' کرتی رہی اور پھر راؤنڈ ختم ہوتے ہی وہ تیر کی طرح اس میز کی طرف گئی جہاں انور بیٹھا تھا۔

پھر حمید نے کنکھیوں سے دیکھا کہ انور اُسے بُری طرح گھور رہا تھا۔ وہ شراب کے کاؤنٹر کی طرف گھوم گیا۔ یہاں اسے وہی دونوں لڑکیاں نظر آئیں جو شام کو حضرت سلیمان کے گھوڑے کی ''زیارت'' کر کے آئی تھیں۔

ان میں سے ایک دوسری کو کہہ رہی تھی۔ ''اگر آنٹی آ گئی تو۔''

''نہیں وہ نہیں آئیں گی۔'' دوسری نے کہا۔ ''میں انہیں دوا دے کر آئی ہوں۔ دوا پی کر وہ سو جاتی ہیں۔ بس ڈارلنگ تھوڑی سی......اتنی کہ سرور آ جائے۔''

''نہیں......نہیں......!''

''بڑی ڈرپوک ہو تم......!'' دوسری بولی۔ ''شیری میں تو بالکل نشہ نہیں ہوتا......بس ہلکا سا سرور۔''

''شیری بڑی عمدہ چیز ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

دونوں چونک کر مڑیں اور پھر جھینپی ہوئی ہنسی ہنسنے لگیں۔

''میں تو طالب علمی کے زمانے میں اپنے باپ کے سامنے پیتا تھا......اور انہیں آج تک نہ معلوم ہو سکا۔''

''کیسے......!'' اس نے پوچھا جس نے شراب پینے کی تجویز پیش کی تھی۔

''کہیں اطمینان سے بیٹھیں تو بتاؤں۔'' حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ وہ ایک خالی میز پر چلے گئے۔

''بڑی عمدہ ترکیب تھی۔'' حمید نے کہا۔ ''میں ڈرائی جن کی آدھی بوتل میں اتنا ہی عرق منڈی ملا کر بوتل پہ عرق مصفّٰی کا لیبل چپکا دیا کرتا تھا اور بوتل اعلانیہ میرے کمرے میں رکھی رہتی تھی اور والد صاحب خوش ہوتے تھے کہ مجھے اپنی صحت کا اتنا خیال ہے۔''

لڑکیاں ہنسنے لگیں...... اور حمید نے قریب کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔

''ایک بوتل شیری...... اور ایک لارج وہسکی...... اسکاچ لانا۔''

''نہیں...... نہیں......!'' ایک لڑکی نے پھر مخالفت کی۔

''آپ بڑی دقیانوسی معلوم ہوتی ہیں۔'' حمید نے کہا اور وہ لڑکی کچھ نہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد تینوں شغل کر رہے تھے۔

حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ساری دنیا کی حسین لڑکیوں کا ٹھیکیدار ہو۔

بہت زیادہ بولنے والی لڑکی کی زبان اب قینچی کی طرح چلنے لگی تھی۔ اس کے برخلاف دوسری لڑکی جس نے شراب کی مخالفت کی تھی بالکل خاموش تھی۔ وہ حلق سے گھونٹ اتارتے وقت ایسا منہ بناتی تھی جیسے کوئی مار مار کر اسے پلا رہا ہو۔

''کیا آپ پہلی بار پی رہی ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں...... دوسری بار...... مجھے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔''

''واہ ڈیئر سٹ......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''آپ الیکشن تو لڑ نہیں رہی ہیں کہ کسی سے ڈریں۔''

حمید کبھی کبھی انور کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو بظاہر تو رشیدہ سے گفتگو میں مشغول تھا لیکن حقیقت میں اس کی نظریں بھی حمید ہی پر تھیں۔

حمید نے سوچا کہ شاید انور کو اس پر شبہہ ہو گیا ہے اور وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہے تو اسے کم از کم فریدی نے یہاں نہ بھیجا ہوگا۔ پھر آخر اس کی موجودگی کا مطلب؟ کیا حقیقتاً اس نے موٹر سائیکل کی چوری کی داستان گڑھی تھی۔ لیکن پھر دوسری طرف

اسے قاسم کا خیال آیا۔ قاسم میں سازش کی صلاحیت نہیں اور وہ اتنے فنکارانہ انداز میں جھوٹ نہیں بول سکتا پھر آخر یہ سب کیا تھا۔ اس نئی الجھن نے تفریح کا سارا مزہ کرکرا کر دیا اور یہ حقیقت اس کے ذہن میں کچوکے لگانے لگی کہ وہ یہاں محض تفریح کے لئے نہیں آیا ہے۔

دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی تھی اور لوگ آہستہ آہستہ اٹھ کر فرش کی طرف جارہے تھے۔ حمید نے سب سے زیادہ بولنے والی لڑکی سے رقص کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ دوسرے لمحے میں حمید نے انور کو اٹھ کر اپنے ساتھ کی دوسری لڑکی کی طرف آتے دیکھا۔ حمید کی ہم رقص نے اس کے کان کھانے شروع کر دیئے۔ وہ بڑی رومان انگیز گفتگو کر رہی تھی۔ شیری کے ایک گلاس نے اسے بہت زیادہ باتونی بنا دیا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''کورنیلیا......!''

''میں تمہیں نیلی کہوں......بُرا تو نہ مانو گی۔''

''ہائے......نیلی......!'' لڑکی نے سسکی سی لی۔ ''نہیں کبھی نہیں۔''

''اور ان کا کیا نام ہے......'' حمید نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو انور کے ساتھ ناچ رہی تھی۔

''سونیا......وہ میری کزن ہے۔''

''تم بہت اچھی ہو......ستمبر کی راتوں کی طرح خوشگوار۔''

''تم دسمبر کی دوپہر کی طرح......!'' پھر وہ ہنس پڑی۔

حمید کو شرارت سوجھی۔ انور کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے اس کی ہم رقص کو مخاطب کیا۔ ''سونیا......ذرا ہوشیاری سے......تم زیادہ باتیں نہیں کرو گی۔''

سونیا نے نشیلی آنکھوں سے دیکھا اور مسکرا دی۔ شاید شیری کے ایک ہی گلاس نے اس کے بھی چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔

حمید انور کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں

س رہا تھا۔

اس راؤنڈ کے اختتام پر اس نے انور اور رشیدہ کو رقص گاہ سے جاتے دیکھا۔

بہرحال اس سے حمید نے اندازہ لگالیا کہ وہ ضرور کسی چکر میں ہیں۔ کیا یہاں ان کی وجودگی کا بھی وہی سبب ہے جو اس کی موجودگی کا تھا۔ لیکن آخر کس طرح۔ انور اتنا مال دار یں تھا کہ محض سراغ رسانی کے شوق میں شیزان ہوٹل جیسی جگہ قیام کرتا۔ اگر فریدی کی ایماء پر ہاں آیا ہوتا تو کم از کم اس کے حال سے ضرور واقف ہوتا اور اس طرح بھاگنے کی بجائے اس سے الجھ پڑتا۔ تو کیا وہ مجرموں کے لئے کام کررہا تھا......؟ اس سوال کا جواب اس کا ذہن بات میں نہ دے سکا۔ وہ جانتا تھا کہ انور کم از کم فریدی کا راستہ کاٹنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

سچ مچ اس کی ساری تفریح غارت ہوچکی تھی اور وہ اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے ان نوں لڑکیوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن شیری کے دوسرے گلاسوں نے انہیں آسمان پر پ دیا اور اب تو خاموش طبع سونیا بھی چہکنے کے موڈ میں آ گئی تھی۔

''ڈیرسٹ ہی......'' وہ حمید کی گردن میں ہاتھ ڈالے کہہ رہی تھی۔ ''میں چاندنی ں......اور تم سائبان......!''

''نہیں میں چار دیواری ہوں۔'' حمید نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا اور وہ آنکھیں بند کے ہنسنے لگی۔

حمید کو الجھن ہونے لگی۔ نشے میں بہکی ہوئی عورتیں اسے بور لگتی تھیں۔

''اب تم اسے قتل بھی کردو تو اسے کوئی اعتراض نہیں......!'' کورنیلیا اپنا منہ دبا کر ہنسی۔

حمید ان سے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑا کر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ اس نے اس قبل انور اور رشیدہ کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ نہیں ملے تھے۔

حمید نے لباس تبدیل کیا اور پلنگ پر گر گیا۔ اس نے دو بڑے پیگ وہسکی کے پیے تھے اس ' اس کا ذہن نیند سے بوجھل ہوا جارہا تھا...... حالانکہ وہ ابھی سونا نہیں چاہتا تھا......انور کے ...... لیکن اسے پلنگ سے اٹھ کر روشنی بجھانے کی بھی مہلت نہ ملی......اور وہ گہری نیند سو گیا۔

اور پھر رات گئے شاید وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جس نے اُسے جگا دیا۔ بستر پر لیٹے ہی لیٹے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں...... اور پھر بڑھتی ہوئی خنکی نے اُسے کمبل تان لینے پر مجبور کر دیا۔ آواز پھر آئی اور اس نے منہ کھول دیا...... کھٹ...... کھٹ...... کھٹ...... چڑر......!' کوئی دوسری طرف شائد کھڑکی پر زور لگا رہا تھا۔ مگر کھڑکی......؟ حمید ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا...... وہ کھڑکی تو ہوٹل کی عمارت کی پشت پر کھلتی تھی اور یہ کمرہ تیسری منزل پر تھا...... نیچے تک بالکل سپاٹ دیوار چلی گئی تھی۔ حمید پلنگ سے اتر ہی رہا تھا کہ دونوں پٹ زور دار کھٹاکے کے ساتھ کھل گئے اور حمید کو کھڑکی میں ایک بڑا خوفناک چہرہ دکھائی دیا۔ اس کا دہانہ نصف رخساروں تک پھٹا ہوا تھا...... ناک لمبی لیکن پھولی ہوئی تھی۔ آنکھیں کافی بڑی اور وحشت ناک تھیں۔

''ژ ہے سوئی ہارس دے سالومن[1]'' پھٹے ہوئے ہونٹوں سے غرائی ہوئی سی آواز نکلی۔

حمید کا ہاتھ بے اختیار تکئے کے نیچے گیا جہاں ریوالور رکھا ہوا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ حمید تیزی سے کھڑکی کی طرف جھپٹا لیکن باہر اندھیرا تھا...... اس نے پلٹ کر ٹارچ اٹھائی۔ پھر اس نے دیکھا پائپ کے سہارے ایک طویل القامت آدمی بڑی تیزی سے نیچے کی طرف پھسل رہا تھا۔ اس نے پھر شاید دس گیارہ فٹ کی بلندی ہی سے زمین پر چھلانگ لگا دی اور تیزی سے بھاگتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اس کی ننگی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال کے سے بال تھے۔

خونی چٹان

وہ حمید کی ٹارچ کی روشنی کی پہنچ سے دور ہو چکا تھا۔ حمید کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ بات یہ تھی کہ ابھی تک اس کا ذہن نیند کے اثر سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا اور اس کی کیفیت کچھ اُسی قسم

---

[1] میں سلیمان کا گھوڑا ہوں۔

کی تھی جیسے کان کے قریب اچانک کسی دھماکے سے آنکھ کھل جائے۔

''شائیں......!'' کوئی جلتی ہوئی چیز اُس کے الجھے ہوئے بالوں سے گزرتی ہوئی پچھلی دیوار سے ٹکرائی......اور حمید نے پلاسٹر ادھڑنے کی آواز صاف سنی اور پھر اسے اچھی طرح ہوش آ گیا۔ وہ کھڑے ہی کھڑے دھڑام سے فرش کی طرف گرا۔ اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اگر گولی ایک انچ اور نیچے کی طرف جھکی ہوتی تو اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

اس کے جسم کے مسامات نے بیک وقت بہت سا ٹھنڈا پسینہ اگل دیا اور شاید ایک منٹ تک اس کا ذہن بالکل ہی مفلوج رہا۔

پھر حمید نے کھڑکی کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت نہیں کی۔ وہ رینگتا ہوا اُس میز کے قریب پہنچا جس پر فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر بزر پر انگلی رکھ دی اور اسے متواتر دباتا ہی چلا گیا۔ شاید دو منٹ تک یہی کرتا رہا۔ پھر اسے راہ داری میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ڈیوٹی کلرک تھا اور حمید کی حرکت پر جھلایا ہوا خود ہی دوڑ آیا تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت اور غصہ کے ملے جلے آثار تھے۔

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا حمید نے جلدی جلدی پورا واقعہ دہراتے ہوئے اپنے جھلسے ہوئے بال اور دیوار کا ادھڑا ہوا پلاسٹر دکھایا۔

''حیرت......سخت حیرت......!'' کلرک پاگلوں کی طرح بڑبڑایا۔ پھر سنبھل کر کہنے لگا۔ ''دیکھئے کپتان صاحب میرا خیال ہے کہ ہم خاموشی سے اس کی چھان بین کریں ورنہ دوسرے مسافروں پر بُرا اثر پڑے گا۔ میں ابھی خانگی سراغ رساں کو لاتا ہوں۔''

''کچھ بھی کرو......!'' حمید غصیلی آواز میں بولا۔ ''لیکن مجھے اسی وقت ایک ایسا کمرہ چاہئے جس کی کھڑکیاں باہر کی طرف نہ کھلتی ہوں۔''

''ٹھہریئے...... مجھے سوچنے دیجئے...... ہاں بے شک میں آپ کو ایسا کمرہ اسی وقت دے سکتا ہوں۔''

پھر تھوڑی دیر بعد خانگی سراغ رساں کی موجودگی میں اس کا سامان دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ حمید نے بقیہ رات جاگ کر ہی گزار دی اور ہوٹل کے ذمہ دار لوگ تفتیش میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے حمید سے استدعا کی تھی کہ وہ اس کا تذکرہ مسافروں سے نہ کرے۔ ویسے وہ پولیس کو اطلاع دے سکتا ہے۔ دوسری صبح حمید نے فیصلہ کیا کہ وہ فریدی کی ہدایات کے سلسلے میں لکیر کا فقیر نہ بنا رہے گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ اُسے اپنی زندگی ہی سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ میجر نصرت سے مل کر اُس سے اس مسئلے پر گفتگو کی جائے۔ میجر نصرت محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ تھا اور حال ہی میں ٹیکم گڑھ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا تھا۔ فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھا اور حمید کا بڑا خیال کرتا تھا۔

میجر نصرت حمید کو کیپٹن پرکاش کے بھیس میں پہچان نہیں سکا...... اور پھر جب حمید نے بتایا تو اُسے حیرت بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فریدی میک اپ کا ماہر ہے اور سراغ رسانی کے اُس پرانے طریقے پر صرف وہی اب تک کاربند ہے لیکن اس میں بھی اس نے کچھ جدتیں کی ہیں۔

اور پھر جب حمید نے سارے واقعات دہراتے ہوئے اپنی ملاقات کا مقصد بیان کیا تو میجر نصرت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''وہ آدمی......!'' اس نے کہا۔ ''ہاں میں نے بھی اسے ارجن گھاٹی میں دیکھا ہے...... لیکن...... یہ خبر بڑی حیرت انگیز ہے کہ وہ اب آبادی میں داخل ہونے لگا ہے۔ لیکن تمہارے ہی کمرے میں کیوں؟''

''آپ کو مسٹر براؤن والی بات تو یاد ہوگی۔''

''ہاں ...... اور میں نے اس کے متعلق اطلاع بھی دی تھی۔ بعد کو فریدی نے تار کے بارے میں پوچھا تھا لیکن وہ بھی واپس کر دیا گیا تھا۔''

''سیٹھ صمدانی اور اس کی سیکریٹری کے قتل میں اسی مسٹر براؤن کا ہاتھ ہے۔'' حمید نے کہا اور اُس کے واقعات بھی فریدی کے دلائل سمیت دہرائے۔

''مائی گڈنس......!'' میجر نصرت انگلی سے اپنا داہنا گال کھجاتا ہوا بولا۔''تب تو ان افواہوں کو اہمیت دینی ہی پڑے گی۔''

''کن افواہوں کو......!''

''بھئی بات یہ ہے وہ آدمی عجیب الخلقت ہے۔ اس لئے لوگ اس کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ لہٰذا سننے میں آیا ہے کہ اُس کے پیچھے جانے والوں میں سے اکثر واپس نہیں آتے اور ابھی تک تقریباً تیس یا چالیس آدمیوں کی گمشدگی کی رپورٹ درج ہو چکی ہے۔''

''آپ نے اُسے پکڑنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔''

''ارے یار......وہ تو چھلاوہ ہے چھلاوہ......جس حیرت انگیز تیزی سے وہ چٹانوں پر چڑھتا ہے کسی آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن اب ہم اُس پر فائر کریں گے۔''

''کیوں نہ آج ہم اس کی تلاش میں چلیں۔'' حمید نے تجویز پیش کی۔

''قطعی...... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں......ویسے میرا خیال ہے کہ اب تم اس ہوٹل کی سکونت کو ترک کر دو۔''

''میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔'' حمید نے کہا۔''میرا خیال ہے کہ مسٹر براؤن کا کچھ نہ کچھ تعلق اس ہوٹل سے ضرور ہے۔''

''اور وہ تمہیں اس بھیس میں بھی پہچانتا ہے۔''

''حملے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔'' حمید بولا۔

''اور پھر ایسی صورت میں بھی تم وہاں قیام کرو گے۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

دو گھنٹے کے اندر اندر روانگی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پولیس کی ایک لاری میں دس مسلح کانسٹیبلوں سمیت وہ ارجن گھاٹی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب گھاٹی کا فاصلہ دو میل رہ گیا تو انہیں لاری چھوڑ دینی پڑی کیونکہ آگے چل کر دشوار گزار راستہ شروع ہو گیا تھا۔ یہاں کوئی سڑک نہیں تھی۔ چاروں طرف بے ترتیب چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔

راہ میں انہیں اور لوگ بھی ملے جو اس حیرت انگیز آدمی کی تلاش میں نکلے تھے۔ میجر نصرت نے حمید کو بتایا کہ وہاں کافی بھیڑ ہوجاتی ہے۔ لیکن بہت کم آدمی گھاٹی میں اترنے کی ہمت کرتے ہیں۔ ایک تو وہ ہے کافی نشیب میں اور پھر راستہ بھی دشوار گزار ہے۔ دراصل کبھی وہ بہت بڑی جھیل رہی تو ہوگی لیکن کسی وجہ سے اس کا پانی خشک ہوجانے کی بناء پر اب وہاں سبزہ زار نظر آتا تھا...... اور ارجن گھاٹی کو بس پچکے پچکے بونے ہی سے تشبیہہ دی جاسکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں وہ کھڑے تھے۔ وہاں سے گھاٹی کی گہرائی تین سو فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ نیچے کی زمین قریب قریب برابر تھی اور اس پر سبزہ لہلہاتا نظر آرہا تھا۔ چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور چٹانوں کے درمیان میں وہ وادی شاید ایک میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔

''دیکھو......!'' میجر نصرت نے اپنے آدمیوں کو مخاطب کیا۔ ''تم سب چٹانوں کی اوٹ لے کر نکلنے کی کوشش کرو۔ خیال رہے کہ اس کی نظر تم پر نہ پڑنے پائے۔ پہلے اُسے گھیر کر زندہ پکڑنے کی کوشش کرنا۔ جب ہاتھ سے نکلنے لگے تو پھر فائر کرنا۔''

مسلح سپاہی ایک ایک کر کے دور تک پھیل گئے اور پھر انہوں نے نیچے اترنا شروع کردیا۔ میجر نصرت نے تماشائیوں سے کہا۔ ''آپ لوگ براہِ کرم پیچھے ہٹ جائیے اور کوئی صاحب نیچے جانے کی کوشش نہ کریں ورنہ اگر کسی کی جان گئی تو پولیس ذمہ دار نہ ہوگی۔''

لوگوں نے حیرت سے اس کی بات سنی۔ کچھ لوگ وجہ بھی پوچھنے لگے لیکن میجر نصرت نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب اس نے حمید سے کہا۔

''آؤ...... اب ہم نیچے چلیں...... تمہارے پاس ریوالور تو ہوگا ہی...... ہمیں دراصل یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ رہتا کہاں ہے؟''

دونوں ایک دراڑ میں اتر گئے۔ لیکن تیس یا چالیس فٹ سے زیادہ دور نہیں جاسکے کیونکہ آگے چل کر راستہ خطِ مستقیم کی طرح سیدھا ہوگیا تھا۔ وہ پھر اوپر آگئے اور اب انہیں دوسرے راستے کی تلاش ہوئی۔

''بس راستوں ہی کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔'' میجر نصرت نے کہا۔ ''ورنہ یہ گھاٹی اب تک یران نہ رہتی۔''

انہیں جلد ہی دوسرا راستہ مل گیا۔ لیکن یہ بھی اتنا دشوار گزار تھا کہ وہ آدھی مسافت تقریباً یک گھنٹے میں طے کر پائے۔

''وہ دیکھو......وہ رہا۔'' دفعتاً میجر نصرت نے کہا۔ حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ فاصلہ کافی تھا پھر بھی اسے سامنے کی چٹانوں میں ایک آدمی نظر آیا جو اچھلتا کودتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔

''یعنی یہ اس کا معمول ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''قطعی......وہ روزانہ اسی وقت گھاس چرنے آتا ہے۔'' میجر نصرت نے ہنس کر کہا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''اگر اس کے جسم پر پتلون نہ ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ وہ شاید کسی قدیم ترین نسل کا آدمی ہے جو کسی غار میں پڑا رہتا ہوگا لیکن اب حالات کی بناء پر میں یہ بھی باور کر لینے کو تیار ہوں کہ وہ کسی شاطر ترین آدمی کا آلہ کار ہے۔ آخر ان آدمیوں کے غائب ہو جانے سے کیا مطلب لیا جائے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی بڑی چٹانیں پھلانگتا ہوا تیزی سے دوڑتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ وادی میں اتر آیا۔ حمید نے ہنہناہٹ کی آواز سنی جو ہو بہو کسی گھوڑے کی آواز تھی۔ پھر وہ عجیب الخلقت آدمی گھٹنوں کے بل دونوں ہاتھوں پر رینگ کر گھاس چرنے لگا۔

کبھی کبھی وہ رک کر گھوڑوں کی طرح منہ اٹھاتے ہوئے ہنہنانے لگتا تھا۔

''یہ بھی عجیب بات ہے۔'' میجر نصرت نے کہا۔ ''آدھی انگریزی آدھی فرانسیسی بولتا ہے۔''

''حالانکہ اس کو دونوں زبانوں کا عالم ہونا چاہئے۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ میجر نصرت نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر ہنسنے لگا۔

''یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم سارجنٹ حمید ہو......مسخرے۔'' اُس نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ فریدی کا تو ناطقہ بند رہتا ہوگا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ تم میری سفید

مونچھوں کا خیال رکھو گے۔"

حمید نے ایک سعادت مند برخوردار کی طرح مسکرا کر سر جھکا لیا۔

"پتہ نہیں...... ہمارے آدمی نیچے پہنچے بھی یا......" میجر نصرت کچھ اور کہتے کہتے رک گیا...... حمید کی نظر بھی اٹھ گئی...... نیچے وادی میں کھڑا وہ ہاتھ ہلا کر چیخ رہا تھا۔ غالباً وہ اوپر کھڑے ہوئے آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر شاید ان دونوں کو نیچے آتا دیکھ کر اُس نے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور دوبارہ گھاس پر منہ مارنے لگا۔

انہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی...... ابھی تک شاید دوسرے سپاہی نیچے نہیں پہنچ سکے تھے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر سپاہی اُسے گھیرے میں کیسے لیں گے۔ چاروں طرف سے گھیرنا تو بالکل ہی ناممکن تھا۔ کیونکہ راستے دشوار گزار تھے۔ اگر سپاہی کسی نہ کسی طرح نیچے پہنچ گئے تو ان میں اتنا دم نہیں ہوگا کہ وہ دوڑ کر وادی کا پورا چکر لگا سکیں۔ حمید صرف سوچتا رہا۔ اُس نے یہ بات میجر نصرت سے نہیں کی۔ فی الحال تو اس کا مقصد صرف اس انسان نما حیوان کو قریب سے دیکھنا تھا۔

ان کے ساتھ ہی سپاہی بھی ایک ایک کر کے نیچے پہنچ گئے اور وہ سب ایک ہی جگہ اکٹھے ہو گئے تھے۔ اب شاید میجر نصرت کو بھی اپنی حماقت کا احساس ہوا دوسری طرف وہ حیوان نما انسان جو اُن سے ڈیڑھ فرلانگ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ چوکنا نظر آنے لگا تھا۔ اُس نے گھاس چرتے چرتے منہ اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا اور ہونٹوں سے فرفراہٹ کی آوازیں نکالتا ہوا دولتیاں جھاڑنے لگا۔

"فائر کرو۔" میجر نصرت نے جلدی سے کہا۔

دس رائفلیں اٹھیں لیکن باڑھ مارنے سے پہلے ہی وہ اچھل کر بھاگا...... باڑھ ماری گئی...... وہ لڑکھڑا کر گرا لیکن پھر بھاگنے لگا۔ اس بار اس کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ چٹانوں تک پہنچ گیا۔ حمید اور اس کے ساتھیوں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا۔ لیکن ابھی انہوں نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ وہ سامنے والی چٹانوں میں

اچھلتا کودتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔

''یہ تو ناممکن ہے۔'' میجر نصرت ہانپتا ہوا بولا۔ ''کہ اسے ایک بھی گولی نہ لگی ہو۔''

پھر اس نے سپاہیوں سے کہا۔ ''بھاگتے چلو...... آج ہم اُسے تلاش کر کے ہی دم لیں گے۔''

چٹانوں کے سلسلے تک پہنچتے پہنچتے وہ گدھوں کی طرح ہانپنے لگا اور حمید نے جب ان چٹانوں کو قریب سے دیکھا تو اُس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ انہیں چٹانوں پر بندروں کی طرح اچھل کود کر رہا تھا۔ یہ چٹانیں تو ایسی تھیں کہ ان پر چلنا بھی دشوار تھا۔

وہ نیچے ہی ٹھہر کر دم لینے لگے۔

''وہ دیکھئے وہ رہا۔'' اچانک ایک سپاہی چلایا اور سب کی نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ وہ اپنے بڑے بڑے دانت نکالے کافی بلندی پر چٹانوں سے جھانک رہا تھا۔

''آؤ...... شیطان کے ...... گدھے کے بچو۔'' اس نے انگریزی اور فرانسیسی ملی جلی زبانوں میں چیخ کر کہا اور پھر جلدی سے اپنا سر پیچھے کھینچ لیا کیونکہ ادھر رائفلیں سیدھی ہو گئی تھیں۔

''کیا اسے گولیاں نہیں لگیں۔'' میجر نصرت نے حیرت سے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ تماشائیوں کو بھی وادی میں اترتے دیکھ رہا تھا۔

''میں آج اس کے ٹھکانے کا پتہ لگا کر ہی دم لوں گا۔'' میجر نصرت نے پھر کہا۔

سپاہیوں نے چٹانوں پر چڑھنا شروع کر دیا۔ حمید اور میجر نصرت بھی آگے بڑھے۔

''میرے خیال سے آپ یہیں نیچے انتظار کیجئے۔'' حمید نے میجر نصرت سے کہا۔

''اوہو...... برخوردار...... اب میں اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوں۔'' میجر نصرت ہنس کر بولا۔

ایک چٹان سے دوسری چٹان پر پہنچنا بڑا دشوار تھا۔ سپاہیوں نے اپنی رائفلیں کاندھے سے لٹکا لیں تھیں اور بڑی عرق ریزیوں کے ساتھ اوپر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید سب سے آگے تھا اور اس کے ساتھ دو پھرتیلے سپاہی تھے جو بلیوں کی طرح چستی دکھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو بہت ہی پرجوش معلوم ہو رہا تھا اور وہ حمید پر بھی سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اوپر پہنچنے کے لئے آخری چٹان بڑی ٹیڑھی کھیر ثابت ہوئی تھی۔ وہ کافی طویل و

عریض تھی۔ دس فٹ کی بلندی پر ایک بڑے سائبان کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس سلسلے کی دوسری چٹانیں دیوار کی طرح سیدھی کھڑی ہوئی تھیں اور کہیں سے بھی ان کی اونچائی پچاس فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ حمید کے ساتھ والے پرجوش سپاہی نے نیچے کی ایک چھوٹی چٹان پر کھڑے ہوکر چھلانگ لگائی اور اوپر نکلی ہوئی سائبان نما چٹان کا کنارہ پکڑ کر جھول گیا۔ پھر اس نے بندروں کی طرح اپنی ٹانگیں اوپر اٹھائیں اور دوسرے لمحے میں چٹان پر تھا...... لیکن وہ چیخ...... شاید حمید اُسے کبھی نہ بھلا سکے۔

چیخ ہی کے ساتھ حمید نے اس سپاہی کو ہوا میں اڑتے دیکھا اور اب وہ بلندی سے پھینکی ہوئی ایک کنکری کی طرح نیچے وادی میں جا رہا تھا۔ ایک چیخ اور سنائی دی...... اور پھر سناٹا چھا گیا۔

پوری وادی شور سے گونج رہی تھی اور وہ سب بے تحاشہ نیچے کی طرف بھاگ رہے تھے...... گرتے پڑتے...... حمید بھی وہاں نہ ٹھہر سکا۔ حالانکہ اوپر بالکل سناٹا تھا۔

نیچے پہنچ کر انہیں ہڈیوں اور گوشت کے لوتھڑوں کا ایک ڈھیر نظر آیا جس کے قرب و جوار کی زمین سرخ ہو رہی تھی۔ تماشائی چیخ رہے تھے۔ میجر نصرت پر بدحواسی طاری تھی اور سپاہی تو اس طرح کانپ رہے تھے جیسے کچھ دیر بعد ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔

''یہ ہوا کیسے......'' میجر نصرت نے حمید سے پوچھا۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔'' حمید نے چٹان کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''وہ اوپر چلا گیا تھا...... پھر میں نے اسے اچھل کر نیچے جاتے دیکھا۔''

''کیا اس نے پھینک دیا۔'' میجر نصرت بولا۔

''نہیں......!'' تماشائیوں کے مجمعے سے ایک بوڑھے مگر قوی الجثہ انگریز نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''چٹان پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔''

مشتبہ انگریز

حمید چونک کر اسے گھورنے لگا۔

''ہم نیچے سے صاف دیکھ رہے تھے۔'' انگریز پھر بولا۔ ''وہ چٹان پر تنہا تھا...... اور اس نے خود ہی چھلانگ لگائی تھی۔''

دوسرے تماشائیوں نے بھی اس کی تائید کی۔ ان سب نے بھی وہی دیکھا تھا۔ چٹان پر پاہی کے علاوہ انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔

''عجیب بات ہے۔'' میجر نصرت مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

حمید کی نظریں اب بھی انگریز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا ذہن نہ جانے کیوں براؤن راؤن کی گردان کر رہا تھا۔

اس نے تماشائیوں کی بھیڑ میں انور اور رشیدہ کو بھی دیکھا جو اس کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''آخر وہ خود ہی فائرنگ کیوں کرنے لگا۔'' حمید نے میجر نصرت کی آواز سنی جو منہ اوپر کیے اس خطرناک چٹان کو گھور رہا تھا۔

''اسے یقیناً دھکیلا گیا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ہرگز نہیں۔'' انگریز بولا۔ ''اس کے قریب کوئی بھی نہیں تھا۔''

''آخر آپ لوگ نیچے کیوں آئے جب منع کر دیا گیا تھا۔'' حمید الٹ پڑا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''چھوڑو بھئی...... بحث رہنے دو۔'' میجر نصرت نے مضطرانہ انداز میں کہا۔

''اب ہمیں کو کیا کرنا چاہیے۔''

پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک سپاہی کی مڑی تڑی لاش اٹھانے کے مسئلے پر گفتگو کرتے

رہے لیکن کوئی اسے ہاتھ لگانے پر بھی رضامند نہیں نظر آتا تھا۔ کافی دیر بعد فیصلہ ہوا کہ لاری کی ایک سیٹ نکالی جائے اور لاش کو اسی پر ڈال کر اوپر لے جایا جائے۔

ان کی واپسی بڑی اندوہناک تھی۔ راستے بھر کوئی کچھ نہ بولا۔ ان کے ذہن بوجھل سے ہورہے تھے اور دل کی دھڑکنیں سروں میں دھمک پیدا کر رہی تھیں۔

شہر پہنچ کر حمید نے اس واقعے کے بارے میں میجر نصرت سے گفتگو کرنا چاہی لیکن وہ بہت زیادہ حواس باختہ ہورہا تھا۔ اس لئے پھر حمید ٹال ہی گیا۔

ہوٹل آیا تو یہاں اور ہی شگوفہ کھلا ہوا دیکھا۔ ہال میں انور اور رشیدہ کے ساتھ قاسم بھی موجود تھا۔ حمید کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔ انور نے مسکرا کر اُسے اشارہ کیا اور اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی۔ حمید بے چوں و چرا بیٹھ گیا۔

''آپ بھی تو تھے شاید ارجن گھاٹی میں۔'' انور نے کہا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔''

''میرا تعلق تمہارے باپ کے جنازے سے ہے۔'' حمید ناک کے بل بولا۔

''کیا مطلب......!'' انور کی بھنوئیں تن گئیں۔

''کیا تم کرائمز رپورٹر انور نہیں ہو۔''

''ہوں تو پھر......!''

''کیا صمدانی والے معاملے میں تمہارا نام نہیں لیا جاتا۔'' حمید نے کہا۔

لیکن اس بار بے خیالی میں اپنی آواز پر قابو نہ رکھ سکا۔ انور اسے گھورنے لگا پھر منہ بنا کر بولا۔

''تو یہ تم ہو۔''

''ہاں میں ہوں......اور وہ شخص یہاں موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے تم اب تک بچے رہے ہو۔ میں اب دیکھوں گا تمہیں۔''

''کیا کرو گے؟''

''بند کروں گا تم دونوں کو۔'' حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ قاسم ابھی تک کچھ نہیں سمجھا تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔

''جھک مارتے ہو۔'' انور بولا۔

''کیوں بے! تم کیوں دکھائی دیئے یہاں۔'' حمید نے قاسم سے پوچھا۔

''بے..... کیا مطلب!'' قاسم بگڑ کر بولا۔ ''میں آپ سے واقف نہیں ہوں اور آپ مجھ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں۔''

''صمدانی کا تعاقب تم نے کیا تھا تم نے۔''

''ارے..... ار..... نن نہیں تو..... آپ کو حساب فہمی ہوئی ہے۔'' قاسم بوکھلا کر اپنی کھوپڑی سے نکل گیا۔

''حساب فہمی نہیں غلط فہمی۔'' حمید دانت پیس کر بولا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

قاسم بُری طرح گڑبڑانے لگا۔

حمید نے انور سے پوچھا۔ ''تم یہاں کیوں آئے ہو۔''

''تم سے مطلب.....!''

''تم براؤن کے آلہ کار ہو۔ میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اور ابھی ہیڈ کوارٹر کو فون کرتا ہوں۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''حمید بھائی خدا کے لئے.....'' رشیدہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''حمید بھائی.....!'' قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''تم دخل نہ دو.....!'' حمید نے رشیدہ سے کہا۔ ''مجھے تم سے بہت محبت ہے۔''

''کیا.....!'' قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔

''بیٹھ..... نہیں تو ابھی چھرا مار کر تیزی تو ند برابر کر دوں گا..... لم ڈھنگ.....!'' حمید نے قاسم سے کہا۔

''تم محبت کرتے ہو ان سے۔'' قاسم تھوک نگل کر بولا۔

''چلو اٹھو...... یہاں سے۔'' انور نے رشیدہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''جاؤ......لیکن رات حوالات میں ہی گزرے گی۔'' حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

انور اور رشیدہ اٹھ کر چلے گئے۔ قاسم نے بھی جانا چاہا لیکن حمید نے اسے روک لیا۔

''اب بتاؤ بیٹا تم یہاں کیوں آئے ہو۔''

''میں گارت ہو گیا......حمید بھائی۔'' قاسم روہانسی آواز میں بولا۔

''عشق کا چکر ہے۔''

''یہ سالا انور نہیں چاہتا کہ میں اس سے ملوں...... چپ چاپ اسے لے کر یہاں چلا آیا۔ میں نے بڑی مشکل سے پتہ لگایا کہ وہ مجھے بے حد پسند کرتی ہے۔''

''کون رشیدہ......!''

قاسم نے جواب میں سر ہلا دیا۔

''ابے کیوں شامت آئی ہے؟''

''نہیں حمید بھائی......الاقسم وہ بھی مجھ سے موحبت کرتی ہے۔ مگر یہ سالا انور''

''تو تم اسے اپنا سالا بناؤ گے۔ ابے وہ تیرے پرخچے اڑا دے گا۔ رشیدہ نے تمہیں اُلو بنایا ہے۔''

''نہیں......وہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔'' قاسم نے کہا۔

''خیریت اسی میں ہے کہ تم واپس جاؤ۔''

''نہیں جاؤں گا......چاہے جان چلی جائے۔ میں سب سمجھتا ہوں۔''

''کیا سمجھتے ہو......؟''

''تم نے کہا تھا کہ تمہیں اس سے موحبت ہے۔''

''اچھا ہے تو پھر......!''

''تو پھر......!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''دیکھ لینا۔''

حمید نے رشیدہ کو دیکھا جو تنہا اسی کی طرف آ رہی تھی۔

''ذرا.....ادھر آؤ۔'' اس نے حمید کو الگ بلایا اور قاسم اندر ہی اندر کھولنے لگا۔

حمید اٹھ کر رشیدہ کے قریب چلا گیا۔

''میں نے انور کو منع کیا تھا مگر وہ نہیں مانا۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''وہ دراصل سجاد کے جنرل منیجر کے لئے کام کر رہا ہے۔''

''گویا فریدی صاحب سے ٹکرانے کی کوشش کر رہا ہے۔'' حمید غصیلی آواز میں بولا۔ ''کیا اسے نہیں معلوم کہ وہ سجاد کی تلاش میں ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم لوگ اسی ہوٹل میں کیوں ٹھہرے۔''

اس پر رشیدہ نے تار والا واقعہ بتاتے ہوئے کہا۔ ''اسی سے انور نے اندازہ لگایا کہ قاتلوں کا کچھ نہ کچھ تعلق شیزان ہوٹل سے ضرور ہو سکتا ہے۔''

''لیکن انور کی یہ حرکت اسے بڑی مہنگی پڑے گی۔ فریدی صاحب اُسے ہرگز نہ پسند کریں گے۔''

''میں نے بھی یہی کہا تھا.....لیکن اس نے کہا کہ ایسا موقعہ آیا تو وہ الگ ہو جائے گا۔''

''لیکن انور نے مجرموں کو ہوشیار کر دیا ہے۔ تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ پچھلی رات مجھ پر حملہ ہو چکا ہے۔'' حمید نے رات والے واقعات دہرائے۔

''یہ تو خطرناک بات ہے۔'' رشیدہ نے کہا۔

''اسی لئے اب میں میک اپ کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتا۔ ویسے میں اسے برقرار رکھوں گا اس لئے کہ ہز ہارڈنس کا یہی حکم تھا۔''

وہ بھی اسی میز پر آ گئے جہاں قاسم بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

''لیکن وہ چٹان والا حادثہ میری سمجھ میں نہ آ سکا۔'' رشیدہ بولی۔

''اس پر گولیاں بھی چلائی گئی تھیں۔'' حمید نے کہا۔

''ہم اس وقت وہیں تھے.....آخر یہ آدمی ہے کیا بلا۔''

''قاسم کا چچا.....!'' حمید نے کہا۔

''میں بھی اس سالے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' قاسم بولا۔

''اب آ ہی گئے ہو تو میں تمہاری اور اس کی کشتی کراؤں گا۔''

''مروڑ کر رکھ دوں سالے کو......'' قاسم نے سینہ تان کر کہا۔

اچانک حمید کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور اس نے اسی انگریز کو ہال میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جس نے ارجن گھاٹی میں سپاہی کے گرنے کے متعلق ایک حیرت انگیز بات بتائی تھی۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

حمید کی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ انگریز نے کاؤنٹر پر رک کر ادھر اُدھر دیکھے بغیر کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہا جس کے جواب میں کلرک نے ایک طویل سانس لی اور رجسٹروں کے ڈھیر سے ایک رجسٹر نکال کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس دوران میں انگریز نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور سگریٹ رول کرتا رہا۔

اس کی عمر پچاس ساٹھ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ چہرہ بھاری اور کھوپڑی انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھی۔ جبڑوں کی مخصوص بناوٹ اس کی سخت گیری کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ قویٰ مضبوط تھے اور حرکات وسکنات سے پھرتیلا پن ظاہر ہوتا تھا۔ اس نے حمید وغیرہ پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور رول کئے ہوئے سگریٹ کے سرے کو ہونٹوں میں گھما کر نم کرنے لگا۔ اس کی انگلیاں کثرت تمباکو نوشی سے بھوری نظر آ رہی تھیں۔

کلرک نے رجسٹر بند کر کے کچھ کہا اور انگریز اسے گھورنے لگا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ہال سے نکل گیا۔

حمید اٹھ کر کاؤنٹر کلرک کے پاس آیا۔

''کیپٹن پر کاش کی کوئی فون کال تو نہیں تھی۔'' اس نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔

''جی نہیں......لیکن ٹھہریئے......کیا نام بتایا تھا آپ نے......کیپٹن پر کاش......آپ کا ایک ایروگرام ہے۔''

''اوہو......ٹھیک......میں اس کا منتظر ہی تھا۔''

کاؤنٹر کلرک نے ڈرائر سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی کا ایروگرام

ا جو میڈرڈ سے روانہ کیا گیا تھا۔ پیغام تھا کہ حمید وہیں مقیم رہے۔ فریدی بہت جلد واپس آئے گا۔ حمید نے لفافے کو توڑ مروڑ کر جیب میں ٹھونس لیا۔ پھر وہ کاؤنٹر کلرک سے بولا۔

"یہ صاحب جو ابھی یہاں تھے، میرا خیال ہے کہ میں انہیں جانتا ہوں...... یہ مسٹر پارکر ں تو تھے۔"

"جی نہیں...... مسٹر مورگن......!" کلرک نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ پارکر ان کا پہلا نام ہے۔ میں انہیں بچپن میں انکل پارکر کہا کرتا تھا۔ یرے والد کے بڑے گہرے دوستوں میں سے تھے اور اس وقت ان کے سر پر گھونگھریالے بال وا کرتے تھے۔ مجھے صدمہ ہے کہ انہوں نے مجھے پہچانا نہیں۔ کس نمبر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"اڑتالیس میں۔" کلرک نے جان چھڑانے کے سے انداز میں کہا اور اپنے رجسٹروں کی رف متوجہ ہو گیا۔

"کب سے ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"یہ بتانا مشکل ہے۔" کلرک نے رجسٹر پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "آپ انہیں سے ریافت کر لیں تو بہتر ہے۔"

پھر شاید اچانک اسے یاد آ گیا کہ قیام کرنے والوں کی اوٹ پٹانگ گفتگو میں دلچسپی لینا ھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ اس نے خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر دانت کالتے ہوئے کہا۔

"کپتان صاحب! بات یہ ہے کہ یہ بات وہی کلرک بتا سکتا ہے جس نے اندراج کیا و۔ قدرتی بات ہے کہ مسٹر مورگن سے آپ ضرور ملاقات کریں گے...... وہ آپ کے پرانے ناسا ہیں۔"

"ضرور ضرور...... میں ان سے ضرور ملوں گا۔" حمید نے ہنس کر کہا اور وہاں سے ہٹ آیا۔

یہاں قاسم رشیدہ سے کہہ رہا تھا۔ "اجاڑ راتوں میں...... میرا دم نکل جاتا ہے۔ ہائے یہاں کی سرسبز پہاڑیاں...... آسمان میں چاند تارے ہوائیں سسکیاں بھرتی ہیں۔"

حمید کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

''ہوائیں سسکیاں بھرتی ہیں۔'' حمید اسے گھور کر بولا۔''بیمار ہیں ہوائیں۔ ہواؤں کا معدہ خراب ہو گیا ہے۔ کہیں تیرا دماغ نہ خراب ہو جائے۔''

رشیدہ ہنس پڑی اور قاسم تاؤ کھا کر رہ گیا۔ رشیدہ کچھ دیر اور بیٹھی پھر اٹھ کر چلی گئی۔

''تم بہت واہیات آدمی ہو۔'' قاسم نے حمید سے کہا۔

''سچ مچ تمہاری بربادی کے دن قریب آ گئے ہیں۔''

''تم کیوں میرے معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہو۔''

''میں تمہیں آدمی بنانا چاہتا ہوں.....تم نے آج تک رشیدہ کو کوئی تحفہ دیا۔''

''نہیں کوئی نہیں۔''

''بس خالی خولی..... زبانی خرچ.....محبوباؤں کی خدمت میں کم از کم پھول ہی پیش کر دیتے ہیں۔''

''پھول.....صرف پھول..... یہ تو.....!''

''ہاں.....پھول.....رشیدہ گوبھی کے پھولوں پر جان دیتی ہے۔''

''گوبھی کے پھول.....!'' قاسم نے حیرت سے کہا۔

''ہاں.....پسند ہے اپنی اپنی۔''

''نہیں تم مذاق کر رہے ہو۔''

''اچھا جی.....میں آپ سے مذاق کروں گا۔'' حمید غصیلی آواز میں بولا۔

مذاق سمجھنے کا سلیقہ بھی ہے تم میں۔

''نہیں حمید بھائی.....ٹھیک ٹھیک بتاؤ.....الاقسم میں مغموم ہوں۔''

''فریدی صاحب کو تم جانتے ہو.....آخر انہیں سانپوں سے کیوں عشق ہے کوئی بھی اچھا بھلا آدمی مداری بننا پسند کرے گا۔ مگر شوق کی وجہ سے مجبوری ہے۔ اسی طرح رشیدہ بھی.....گوبھی کا پھول پسند کرتی ہے جتنا بڑا پھول ہوگا اتنا ہی خوش ہوگی۔''

''ایک پھول کافی ہوگا۔'' قاسم نے پوچھا۔

''ایک میں کیا ہوگا...... کم از کم پانچ عدد کافی وزنی پھول۔ ایک کشتی میں ریشمی رومال سے ڈھانک کر پیش کردینا۔''

''مجھے افسوس ہے......'' قاسم غمزدہ آواز میں بولا۔ ''میں تو اس کی خدمت میں ایک جڑاؤ ہار پیش کرنا چاہتا تھا۔''

''وہ تم مجھے پیش کردو...... مجھے زیورات کا شوق ہے۔ میں اکثر تنہائی میں انہیں پہن کر گھنٹوں آئینے کے سامنے کھڑا رہتا ہوں۔''

قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا...... اس دوران میں حمید نے مورگن کو دوبارہ ہال میں داخل ہوتے اور اوپری منزل کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔ اس لئے اب وہ قاسم سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا...... اور وہ اس میں جلد ہی کامیاب بھی ہوگیا۔

اڑتالیس نمبر کا کمرہ دوسری منزل پر راہداری کے سرے پر واقع تھا۔

راہداری سنسان پڑی تھی اور سارے کمرے بند تھے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی حماقت تھی لیکن پھر بھی حمید مورگن کے کمرے میں جھانکنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ اس نے گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ کر کنجی کے سوراخ سے آنکھ لگادی۔

مورگن کمرے کے فرش پر بیٹھا ایک چھوٹی سی سیمی مشین گن میں میگزین چڑھا رہا تھا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اسے ایک چمڑے کے سوٹ کیس میں رکھ دیا۔

اور پھر حمید نے اسے لباس تبدیل کرتے دیکھا۔ شائد وہ باہر جانے کی تیاری کررہا تھا۔ حمید اٹھ گیا۔

شاید پندرہ منٹ بعد وہ پھر ہال میں دکھائی دیا اور اس کے ہاتھ میں وہی سوٹ کیس تھا جس میں اس نے مشین گن رکھی تھی۔

چوہیا اور جہاں پناہ

دوسری صبح سرجنٹ حمید، میجر نصرت اور تین دوسرے مقامی آفیسروں کے ساتھ ایک ہیلی کوپٹر میں ارجن گھاٹی پر پرواز کررہا تھا۔ حمید نے اپنی پچھلی رات بڑی بے چینی سے گزاری تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ اس نے مورگن کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن وہ اسے دھوکا دے کر صاف غائب ہوگیا۔ ایسے موقع پر حمید بڑی شدت سے فریدی کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔

اس نے مورگن کے متعلق میجر نصرت کو کچھ نہیں بتایا تھا اس نے سوچا ممکن ہے فریدی اس کو پسند نہ کرے۔

ہیلی کاپٹر وادی سے گزر کر انہیں چٹانوں کی طرف جارہا تھا جہاں وہ عجیب الخلقت آدمی غائب ہوگیا تھا۔ وہ اس چٹان سے گزر گئے جو ایک سپاہی کی ہلاکت کا باعث بنی تھی۔

دوسری طرف میلوں تک خشک اور بھورے رنگ کی چٹانوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ کہیں بھی کسی ذی روح کا کوئی نشان نہیں تھا۔ آفیسروں نے دو تین چھوٹے چھوٹے دستی بم چٹانوں میں پھینکے اور ہیلی کاپٹر نے آدھے میل کے رقبے میں ایک چکر لگایا لیکن اس حیوان نما انسان کا کوئی نشان نہ ملا۔ دو چار بم ادھر اُدھر پھر پھینکے گئے لیکن نتیجہ وہی صفر۔ آخر ایک آفیسر نے میجر نصرت سے کہا۔

''کیا ہیلی کاپٹر کو اتارا جائے۔''

''میں اس کی ہرگز رائے نہ دوں گا۔'' حمید بولا۔

''کیوں......؟''

''مجھے وہ آدمی تنہا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی پشت پر کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''ارے جناب! اگر گولی ذرا کچھ اور نیچے آتی تو میرے سر کے ٹکڑے اڑ گئے ہوتے۔''

''ہوسکتا ہے کہ آپ پر گولی بھی اسی نے چلائی ہو۔'' آفیسر نے کہا۔

''ہرگز نہیں......وہ خالی ہاتھ تھا اور میں اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔''

''تب تو پھر اس طرح اس کا ملنا محال ہے۔''

''نہیں......آپ کے ساتھ زیادہ تعداد میں مسلح آدمی ہوں تو آپ نیچے بھی اتر سکتے ہیں۔'' حمید بولا۔

''زیادہ آدمی......یہ بھی محال ہی ہے۔ ہیلی کاپٹر صرف ایک ہے۔''

ویسے اس کے علاوہ ان چٹانوں کو پار کرنے کا کوئی اور دوسرا طریقہ بھی نہیں ہے۔ اگر تھوڑے تھوڑے آدمی پہنچائے جائیں تب بھی آپ کا بیان کردہ خطرہ تو باقی ہی رہتا ہے جب تک آدمیوں کی دوسری کھیپ آئے گی وہ پہلی کھیپ کا صفایا کر چکے ہوں گے۔

''بھئی میں کہتا ہوں......جلدی کی ضرورت ہی نہیں۔'' میجر نصرت نے کہا۔

''ہاں لیکن ہم اس چٹان کو ضرور دیکھیں گے۔''

ہیلی کاپٹر پھر گھاٹی کی طرف موڑ دیا گیا۔

''فریدی کے متعلق کچھ معلوم ہوا۔'' میجر نصرت نے حمید سے پوچھا۔

''ہاں کل میڈرڈ سے ان کا ایروگرام آیا ہے۔ وہ جلدی ہی واپس آئیں گے۔''

''میں تو کہتا ہوں کہ سجاد کی تلاش فضول ہے۔ قاتل یہاں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی ہاتھ آجاتا تو سجاد کی بھی گرفت ممکن ہو جاتی۔ لیکن فریدی کے طریقے حیرت انگیز ہیں۔ ہاں اچھا اس مخصوص اجازت نامے کے متعلق کیا ہوا جو ایک زمانے میں منسوخ کر دیا گیا تھا۔''

''وہ تو کبھی کا بحال کر دیا گیا ہے۔ جیرالڈ کے خلاف جرم ثابت ہوتے ہی...... ورنہ فریدی اب تک مستعفی ہو چکے ہوتے۔''

ہیلی کاپٹر اس چٹان کے اوپر فضا میں پہنچ کر معلق ہو گیا اور انہوں نے کھڑکیوں سے سر نکال کر نیچے جھانکا۔ چٹان اوپر سے بالکل سپاٹ تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اس پر بیک وقت کئی ہیلی کاپٹر اتر سکتے تھے۔ پائلٹ نے رسیوں کی سیڑھی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ارادہ ہے۔'' حمید چونک کر بولا۔ ''کیا کوئی صاحب اس پر اتریں گے۔''

ایک آفیسر نے کوئی جواب دیئے بغیر سیڑھی نیچے لٹکادی۔

''دیکھئے میں ہرگز مشورہ نہ دوں گا۔'' حمید نے کہا۔

''آپ تو کسی بات کا مشورہ نہیں دیتے۔'' آفیسر ہنس کر بولا۔

''یہ چٹان خطرناک ہے۔''

''اب اتنی بھی نہ ہوگی کہ مجھے دھکیل دے۔ میں یہی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ سپاہی توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر گرا ہوگا۔''

''نہیں وہ اچھی طرح سنبھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''تب وہ ایکروفوبیا کا شکار رہا ہوگا۔'' آفیسر مسکرا کر بولا۔

''یہ کیا بلا ہوتی ہے۔'' میجر نصرت نے کہا۔

''بلندی سے خوف کا مرض...... بعض لوگ بہت زیادہ بلندی سے نیچے کی طرف نہیں دیکھ سکتے اور اگر انہیں دیکھنا ہی پڑے تو وہ محسوس کرتے ہیں جیسے نیچے گرے جارہے ہوں اور بعض اوقات ایک قسم کی اضطراری کیفیت کے تحت چھلانگ بھی لگا دیتے ہیں۔''

''اتنی نفسیات میں نے بھی پڑھی ہے۔'' حمید بولا۔ ''لیکن کبھی کبھی بہت ہی ٹھوس قسم کے سائنسی حقائق سے بھی دوچار ہوا ہوں۔''

پھر حمید نے اپنی ایک حیرت انگیز اچھل کود کا سابقہ تجربہ بیان کیا۔[1]

''اجی چھوڑیئے کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔'' آفیسر نے کہا اور لٹکی ہوئی سیڑھی سے نیچے اترنے لگا جس کا نچلا سرا چٹان سے ایک فٹ اوپر جھول رہا تھا۔

''خدا مغفرت کرے۔'' حمید بڑبڑایا۔

وہ سب بڑی توجہ اور دلچسپی سے آفیسر کو نیچے اترتے دیکھ رہے تھے۔ اس کا ایک پیر سیڑھی پر تھا اور دوسرا اس نے چٹان پر رکھا تھا کہ ہیلی کاپٹر کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ پائلٹ اگر اسے فوراً ہی حرکت میں نہ لے آتا تو وہ بھی تباہ ہوگیا تھا۔ پھر انہوں نے آفیسر کی چیخیں سنیں اور چٹان خالی پڑی تھی۔

---

[1] اس داستان کے لئے حیرت انگیز ناول ''پرہول سناٹا'' جلد نمبر 11 ملاحظہ فرمایئے۔

بقیہ لوگ بدحواس ہو کر چیخنے لگے۔ اینگلو انڈین پائلٹ گالیاں بک رہا تھا۔

''اتارو...... اتارو...... جلدی کرو۔'' میجر نصرت چیخا۔

ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا اور پھر وہ زمین پر ٹک گیا۔

وہ سب نیچے کود کو آفیسر کی لاش کی طرف دوڑے لیکن وہاں اب تھا ہی کیا...... پچکا ہوا جس سے خون آلود مغز بہہ رہا تھا۔ گوشت کے لوتھڑے اور شکستہ ہڈیاں۔

حمید کو چکر سا آ گیا۔ پتہ نہیں اس کے دوسرے ساتھیوں پر کیا گزری۔

پھر سہ پہر تک اس کے حواس درست نہیں ہوئے۔ وہ اپنے پیشے سے بُری طرح بیزار رہا تھا۔ گھاٹی سے لوٹنے کے بعد وہ شام تک شیزان ہوٹل کے کمرے میں پڑا رہا۔

چار بجے وہ کمرے سے باہر نکلا اور اسے اپنے اعصاب کو آرڈر میں لانے کے لئے ایک وہسکی پینی پڑی۔ وہ اس کچلی ہوئی کھوپڑی، گوشت کے لوتھڑوں اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو بھی ل جانا چاہتا تھا۔ دل بہلانے کے لئے اس نے قاسم کی تلاش شروع کی لیکن وہ غائب تھا۔ ر اور رشیدہ کے کمرے بھی مقفل تھے۔ شاید وہ دونوں بھی باہر گئے ہوئے تھے۔

حمید ہوٹل سے باہر آ گیا۔ اس نے ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور شہر کے چکر لگانے لگا۔ سے دو ایک بار اُس پراسرار انگریز مورگن کا بھی خیال آیا لیکن اُس نے اسے اس طرح اپنے ن سے جھاڑ دیا جیسے جسم پر رینگتی ہوئی چیونٹی بے خیالی میں جھاڑ دی جاتی ہے۔ اس وقت ف یہ چاہتا تھا کہ اس کے دو ایک احباب ہوں اور وہ ان میں بیٹھ کر خوب قہقہے لگائے۔

راستے میں اُسے ایک کافی ہاؤز نظر آیا اور وہ ٹیکسی میں سے اتر کر اس کی طرف بڑھا۔ ر دروازے پر ایک مجہول سا آدمی ایک کنارے اسٹول ڈالے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ حمید کی ہٹ پر چونک کر خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔ ''نمونہ کا پرچہ مفت نہیں بھیجا جاتا سمجھے۔''

پھر اس نے ہوا میں مکا لہرا کر کسی کو خیالی دھمکی دی۔ حمید رک کر اسے گھورنے لگا۔ وہ ر کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ وہ پھر بڑبڑایا۔

''مضامین خوشخط اور صاف لکھیے...... جواب طلب اُمور کے لئے جوابی لفافہ یا پوسٹ

کارڈ آنا ضروری ہے سمجھے۔"

پھر حمید نے اپنے پیچھے قہقہے کی آواز سنی۔ وہ چونک کر مڑا۔ ایک دبلا پتلا نوجوان کھڑا ہنس رہا تھا۔

"یہ بیچارا......!" اس نے کہا۔ "ایک رسالے کا ایڈیٹر تھا......اور دن رات کافی ہاؤز میں بیٹھا مضامین لکھا کرتا تھا۔ آخر کار یہ اپنے سارے سرمائے کی کافی پی کر قلاش ہو گیا۔ لیکن کافی ہاؤز اس سے پھر بھی نہ چھوٹا۔ اس نے یہاں کی دربانی کرلی۔ دیکھئے کس پیار سے اندرونی میزوں کا جائزہ لے رہا ہے۔"

حمید ہنستا ہوا آگے بڑھا اور جب وہ دربان کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس نے اسے کہتے سنا۔ "سالے یہ کتابت ہے یا چیونٹیاں سیاہی میں ڈوب کر چلی ہیں۔"

کافی ہاؤز کافی آباد نظر آرہا تھا۔ حمید ایک خالی میز پر بیٹھ کر ویٹر کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں کی فضا کھنکتے ہوئے سریلے قہقہوں اور سینٹ کی خوشبو کی لپٹوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گداز شانوں سے ریشمی ساڑیوں کے آنچل سرک رہے تھے۔

حمید نے ویٹر کو کافی کا آرڈر دے کر کہا۔ "ایک کافی ان کے لئے بھی۔ وہ ایڈیٹر صاحب جو وہاں اسٹول پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

ویٹر ہنستا ہوا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کی میز پر کافی کی ٹرے رکھ دی۔ حمید نے ایک پیالی اس ایڈیٹر کے لئے بنائی اور ویٹر اسے لے کر دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس نے حمید کو بتایا کہ اکثر گاہک ایڈیٹر کو کافی پلاتے رہتے ہیں۔

ویٹر نے ایڈیٹر کو کافی دیتے وقت حمید کی طرف اشارہ کیا۔ حمید اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایڈیٹر نے مسکرا کر اسے بڑے "انٹلکچوئیل انداز" میں سلام کیا اور کان پر رکھی ہوئی پنسل اتار کر کافی کے کپ پر کچھ لکھنے لگا۔

حمید پائپ سلگا کر کافی کی چسکیاں لینے لگا تھا اور اس کی نظریں مختلف میزوں پر گردش

کر رہی تھیں۔

ایک اینگلو انڈین جوڑا اس کے قریب کی میز پر آ کر ''آباد'' ہو گیا۔ لڑکی بڑی خوش شکل اور شوخ تھی۔ حمید نے اس پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور مخصوص انداز میں گردن ٹیڑھی کر کے پائپ پینے لگا۔ پھر وہ دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن جلد ہی اسے پھر اُس جوڑے میں دلچسپی لینی پڑی۔ لڑکی نے جیسے ہی اپنا بیگ کھولا اس میں ایک چھوٹی سی چوہیا پھدک کر میز پر آ گئی۔ اس کی پچھلی ٹانگوں میں ننھے ننھے گھونگرو پڑے ہوئے تھے۔

حمید بُری طرح چونکا...... اسے اپنی پالتو چوہیا یاد آ گئی۔ گھونگروں کی طرف غور کیا تو اس کے سارے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ مخصوص وضع کے گھونگرو تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس نے اپنی چوہیا کے لئے خاص طور پر چاندی کے بنوائے تھے۔

کیا یہ وہی چوہیا تھی۔ حمید کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ لیکن وہ چوہیا...... وہ چوہیا تو جیرالڈ شاستری کی زمین دوز دنیا میں رہ گئی تھی اور وہ زمین دوز دنیا...... وہ تو ایک زبردست دھماکے کے ساتھ تباہ ہو گئی تھی...... لوگوں کا خیال تھا کہ جیرالڈ اور اس کے ساتھی اسی کے ساتھ فنا ہو گئے ہوں گے۔

حمید نے اینگلو انڈین جوڑے کو گھور کر دیکھا۔ کیا جیرالڈ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ اگر یہ چوہیا زندہ ہو سکتی ہے تو پھر ان کے مرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حمید غیر ارادی طور پر سیٹی میں وہی دھن بجانے لگا جس پر اس کی چوہیا ناچا کرتی تھی...... اور پھر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے چوہیا کو سیٹی کی دھن پر تھرکتے دیکھا۔

اینگلو انڈین جوڑا ہنسنے لگا۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی حمید کی طرف دیکھا تک نہیں۔ حمید سیٹی روک کر کافی کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ اس نے کسی طرح کپ خالی کیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور دل کی دھڑکن خدا کی پناہ...... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زندگی کی بقیہ دھڑکنیں اسی وقت پوری ہو جائیں گی۔

کیا جیرالڈ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ وہ خوفناک چٹان وہ عجیب الخلقت آدمی۔ اُسے

وہ خوفناک بن مانس یاد آ گئے جن کا تجربہ اسے چھ ماہ پیشتر ہو چکا تھا۔ وہ سوچنے لگا جو لوگ ایک معمولی سے بندر کو بن مانس کی شکل میں تبدیل کر سکتے ہوں ان کے لئے ایک حیوان نما انسان کی تخلیق کیا مشکل ہو سکتی ہے اور وہ چٹان...... ہو سکتا ہے کہ اس پر بجلی کے باریک باریک تاروں کا جال بچھا دیا گیا ہو اور ان میں کرنٹ رہتا ہو تو کیا وہ پراسرار انگریز براؤن دراصل جیرالڈ ہی ہے۔ یقیناً وہ جیرالڈ ہی ہوگا۔ ایسا سوچنا قدرتی امر تھا۔ اگر اس حیوان نما انسان کے سلسلے میں حمید پر فائر نہ کیا گیا ہوتا تو شاید وہ ان دونوں معاملات کو الگ ہی تصور کرتا مگر اب صورت دوسری تھی۔ اُسے یقین آ گیا تھا کہ میز پر تھرکتی ہوئی چوہیا اسی کی تھی۔

لیکن اب وہ کیا کرے؟ سوال بڑا ٹیڑھا ہے......اور وہ دل ہی دل میں فریدی کو بُرا بھلا کہنے لگا۔

حمید نے دوسری کافی کا آرڈر دیا۔ وہ اس اینگلو انڈین جوڑے کے اٹھنے سے پہلے کس طرح اٹھ سکتا تھا۔

اندھیرا پھیل گیا۔ پھر تقریباً سات بجے وہ دونوں اٹھے۔ حمید بھی ان کے پیچھے باہر نکلا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ شاید آدھے گھنٹے تک تعاقب جاری رہا پھر اگلی کار ایک عمارت کے سامنے رک گئی جو ایک چھوٹی سی شاداب پہاڑی کے دامن میں واقع تھی۔ یہاں اور بھی عمارتیں تھیں مگر دور دور پر۔

حمید نے ٹیکسی رکوائی اور کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا......اور اس وقت تک کھڑا رہا جب تک ٹیکسی واپس نہیں چلی گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ عمارت کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے نیچے پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح وہ عمارت کی پشت پر ہوگا اور پھر ہو سکتا ہے کہ وہاں سے عمارت کے مکینوں کا جائزہ لینے کی کوئی صورت نکل آئے۔

وہ آہستہ آہستہ پہاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ چاروں طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی اور فضا پہاڑی جھینگروں کی ''جھائیں جھائیں'' سے مکدر ہو رہی تھی۔ درختوں اور پودوں کی شاخوں

بے شمار جگنو جھلملا رہے تھے۔ اگر حمید کو یہ مہم درپیش نہ ہوتی تو وہ بچوں کی طرح دو چار جگنو
ٹنے کی کوشش ضرور کرتا۔ اندھیرے کی وجہ سے اس کی رفتار بہت سست تھی لیکن وہ ٹارچ
ثن کرنے کی بھی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔

ایک جگہ وہ ٹھوکر کھا کر سنبھل ہی رہا تھا کہ اچانک اس پر کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔ حمید نے
وجہد کرنا چاہی مگر فضول۔ وہ بُری طرح جکڑا جاچکا تھا اور کسی کا ہاتھ اس کے منہ پر بھی تھا اور
ں کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ سانس لینے میں بھی دشواری محسوس کررہا تھا۔

پھر اسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کب؟ کس طرح اور کہاں لے جایا گیا؟

پھر تیز قسم کی روشنی کے احساس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا۔ اُسے فرش پر کھڑا
دیا گیا اور اس کے گرد تین قوی الجثہ آدمی کھڑے تھے اور سامنے اینگلو انڈین جوڑا تھا۔

''خوش آمدید......!'' مرد مسکرا کر بولا۔ ''تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔''

''قطعی نہیں۔'' حمید لاپروائی سے شانے جھٹک کر بولا۔ اس نے دلیر بننے کی کوشش
وع کردی تھی۔

''ایک خاص تقریب کے سلسلے میں تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''بات یہ
کہ آج ہمارے شہنشاہ کی سالگرہ کا دن ہے۔ اس تقریب میں کئی طرح کے تماشے ہوں
۔ ہمارے شہنشاہ کو وہ چوہیا بہت پسند ہے جسے تم نے کافی ہاؤز میں اپنی سیٹی پر نچایا تھا۔ وہ
سے ناچتے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔''

''میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس مبارک موقع پر یاد کیا گیا۔ میں تم سب کا دل اچھی
ح خوش کردوں گا۔'' حمید نے اسے آنکھ ماری۔

''جہاں پناہ کیا کررہے ہیں۔'' مرد نے ایک آدمی سے پوچھا۔

''اپنے جوتے گانٹھ رہے ہیں۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور کے ہونٹوں پر خفیف
مسکراہٹ بھی نہ دکھائی دی۔

''میں اس مداری کو اسی وقت ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

پیچھے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے حمید کو دھکا دیا اور وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ حمید کو یقین تھا اب اس کی ملاقات جیرالڈ سے ہوگی۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں ایک آدمی سچ مچ ایک صوفے پر بیٹھا جوتا گانٹھ رہا تھا۔ لیکن یہ جیرالڈ تو کسی طرح بھی نہ ہوسکتا تھا۔ اس کے چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی اور حمید نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا تھا کہ وہ نقلی نہیں تھی۔ اسکے سر پر بال نہیں تھے آنکھیں بھوری تھیں اور اس طرح چندھیائی سی لگ رہی تھی جیسے وہ زیادہ تر تاریکی ہی کی عادی ہوں۔

"تم آ گئے گدھو......!" اس نے جوتا ایک طرف رکھ کر کہا۔

"جہاں پناہ......!" سب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بیک وقت جھکتے ہوئے کہا۔

دوسرا آدمی

حمید بڑی حیرت زدہ نظروں سے اس "جہاں پناہ" کو دیکھ رہا تھا جو صورت ہی سے خاصہ خبطی معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے جسم پر لباس تو بڑا ٹھاٹھ دار تھا لیکن جوتے گانٹھنا..... کیا وہ صحیح الدماغ تھا۔

"یہ کون ہے۔" اس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔

"مداری ہے...... یور میجسٹی......!" لڑکی کے ساتھی نے کہا۔

"اس نے ہمیں سلام نہیں کیا۔"

حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا پھر سیدھا ہو کر بولا۔ "خدا حضور کی ڈاڑھی دراز کرے۔"

"ہاہا......!" وہ ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔ "ہم خوش ہوئے...... تمہارا نام کیا ہے۔"

"خادم کو ڈمباسٹر کہتے ہیں۔"

''بکواس......!'' اس نے پھر ران پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''تمہارا نام نل نل فلوس ہے۔''

''ہاں ہاں! نل نل فلوس ہے۔'' اس کے ''درباریوں'' نے بیک وقت ہانک لگائی۔

''تم سب گدھے ہو۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

''ہاں ہم سب گدھے ہیں۔'' انہوں نے یک زبان ہوکر دہرایا۔

''تو پھر آدمیوں کی طرح کیوں بول رہے ہو۔'' وہ ران پر ہاتھ مار کر بولا۔

اس کے جواب میں وہ سب گدھوں کی طرح رینکنے لگے۔

حمید بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب پاگل ہیں۔ اصل بات اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اب نہ اُسے جیرالڈ یاد تھا اور نہ براؤن۔

''خاموش......!'' خبطی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ سب خاموش ہو گئے۔

''نل نل فلوس اپنے کرتب دکھاؤ۔'' اس نے حمید سے کہا۔

لڑکی نے بیگ سے چوہیا نکالی اور اسے میز پر چھوڑ دیا۔

''اوہو! یہ تو ریٹا ہیورتھ ہے۔'' خبطی بولا۔

پھر حمید نے میز کے قریب آ کر سیٹی بجانی شروع کر دی۔ چوہیا تھرکنے لگی۔

''ہاہا......!'' خبطی بچوں کی طرح تالی بجا کر ہنسا۔ ''واقعی تم سچے مداری ہو۔''

جب تک حمید نے سیٹی بند نہیں کی چوہیا تھرکتی رہی۔

''آؤ ادھر آؤ......نل نل فلوس میرے پاس بیٹھو۔'' خبطی اپنی رانیں پیٹتا ہوا بولا۔ ''میں آج سے تمہیں اپنا ولی عہد بناتا ہوں۔''

حمید اس کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔

''بول کیا مانگتا ہے۔''

''مجھے وہ لڑکی پسند ہے۔'' حمید نے اینگلو انڈین لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور اس نے پہلی بار اس کے ساتھی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار دیکھے وہ اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا تھا۔

''ہم نے تمہیں لڑکی بخش دی...... جولی ادھر آؤ۔''

''مگر...... یور میجسٹی......'' لڑکی کے ساتھی نے احتجاج کیا۔

''بکواس بند کرو...... یہ ہمارا حکم ہے...... جولی ادھر آؤ۔''

لڑکی بھی شاید الجھن میں پڑ گئی تھی۔

''نہیں سنا تم نے۔'' خبطی ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔

جولی بادل نخواستہ صوفے کی طرف بڑھی...... لیکن دوسرے ہی لمحے میں کمرے کی روشنی گل ہو گئی۔ خبطی حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ کسی نے حمید کی گردن پکڑ لی اور اسے دھکیلتا ہوا دروازے تک لایا۔ پھر حمید نے دروازہ بند ہونے اور کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

وہ سب اس کمرے کے باہر تھے۔ اندر خبطی چیخ رہا تھا۔ لیکن اب وہ اس کی طرف سے قطعی لاپرواہ نظر آ رہے تھے۔

''تم آرام کرو۔'' لڑکی کے ساتھی نے لڑکی سے کہا۔ لڑکی چلی گئی اور وہ حمید سے مخاطب ہوا۔

''تفریح تو بہت ہوئی میرے دوست! اب تم میرے ساتھ آؤ۔ لیکن اس بات کی وضاحت کر دوں کہ اگر تم نے کوئی حرکت کی تو دوسرے لمحے میں زندہ نہیں رہو گے۔''

''کیا واقعی تم سب پاگل ہو۔'' حمید نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''یہی سمجھ لو۔''

وہ ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

''بیٹھ جاؤ۔'' لڑکی کے ساتھی نے کہا۔'' حمید بے چوں و چرا بیٹھ گیا۔ ڈرامے کے اس بدلتے ہوئے سین نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

''تم یہ مت سمجھو کہ ہم تمہیں پہچانتے نہیں۔'' لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ''اور شاید اب تم ہمیں بھی پہچان گئے ہو گے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا۔'' حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔

''وقت برباد نہ کرو...... ہمیں صرف فریدی کی تلاش ہے۔ اگر تم اس کا پتہ بتا دو تو ہم

تمہیں چھوڑ دیں گے۔''

حمید نے اب جھوٹ بولنا فضول سمجھا اور یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آ گئی کہ یہ لوگ اسی چوہیا کے ذریعے اس کو پھانس کر یہاں لائے تھے۔ اس نے انہیں دھوکا نہیں دیا تھا بلکہ خود دھوکا کھایا تھا۔

''فریدی یورپ کے دورے پر ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''بکواس ہے...... ہمیں اس پر یقین نہیں۔''

''کل ہی میڈرڈ سے ان کا ایک ایروگرام موصول ہوا تھا۔''

''ہمیں معلوم ہے۔'' لڑکی کے ساتھی نے سر ہلا کر کہا۔ ''لیکن یہ چیز فریدی جیسے آدمی کے لئے مشکل نہیں۔ وہ یہیں بیٹھے بیٹھے یورپ کے کسی مقام سے بھی تمہارے نام ایروگرام منگوا سکتا ہے۔''

''لیکن آخر تم فریدی کا کیا کرو گے۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم اس کا قیمہ بنائیں گے۔''

''تو تم اتنے دنوں تک کیا کرتے رہے۔ پہلے ہی کیوں نہیں ٹھکانے لگا دیا۔'' حمید نے کہا۔

''اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہے ہم کئی بار کوشش کر چکے ہیں لیکن وہ لومڑی کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔''

''جیرالڈ کہاں ہے؟''

''فضول بکواس مت کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔''

''ہوسکتا ہے کہ فریدی صاحب کے متعلق تمہارا خیال صحیح ہو لیکن اگر وہ یہیں موجود ہیں تو میں ان کا پتہ نہیں جانتا۔''

''تم جھوٹے ہو۔''

''بے اعتباری کا تو علاج ہی نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا ان کا پتہ تو اپنی گردن نہ پھنسواتا۔''

''تم مکار ہو۔''

''اگر یہ جملہ کسی لڑکی نے کہا ہوتا تو میں اس کا منہ چوم لیتا۔'' حمید نے غضب ناک ہو کر کہا۔

''تم نہیں باز آؤ گے۔''

''شیزان میں مجھ پر گولی کیوں چلائی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے ہمیں تمہاری پوجا کرنی چاہئے تھی۔''

''اچھا یہ مسخرہ کون ہے۔''

''ہمارا بادشاہ......!'' لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ''تم اس کی حالت دیکھ ہی چکے ہو۔ اگر اس نے تمہاری موت کا حکم دے دیا تو ہم مجبور ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ جو کچھ ہم پوچھتے ہیں بتا کر جلد سے جلد جان چھڑالو۔''

''سنو دوست......!'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''میں اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم لوگ مجھے ٹھکانے لگا دو اور رہا فریدی کا معاملہ تو جو کچھ میں نے ابھی بتایا ہے اس کے علاوہ اور مجھے کسی بات کا علم نہیں۔ تمہارا یہ خیال بھی ٹھیک ہوسکتا ہے کہ وہ سرے سے یورپ گئے ہی نہیں۔''

''ہاں ہم یہی سمجھتے ہیں۔''

''لیکن میں یہاں تنہا آیا تھا۔'' حمید بولا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ''خیر تمہیں اس وقت تک یہاں رہنا ہے جب تک کہ فریدی ہمارے ہاتھ نہ آ جائے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ اب وہ شاستری تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔''

''آہ......شاستری۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''بڑی پیاری شخصیت ہے۔''

''تمہاری پچھلی مکاریاں ہمیں یاد ہیں......مگر ہم عموماً معاف کر دیتے ہیں...... ہمارے لئے دنیا کی کوئی بات ناممکن نہیں۔ خیر اب تم ہماری قید میں ہو اور یہ بھی بتا دوں کہ یہاں سے تمہاری رہائی ناممکن ہے۔ اگر تم نے شور وغل بھی مچایا تو قرب و جوار کے لوگ کان نہ دھریں گے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اس عمارت میں ایک پاگل آدمی رہتا ہے۔''

پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اسے لے جاؤ۔''

''ٹھہرو...... کیا مجھے تنہا رہنا پڑے گا۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں دو چار خادم بھی ملیں گے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''کیا مجھے میری چوہیا واپس مل سکتی ہے۔ صرف اس وقت تک کے لئے جب تک کہ میں
ید میں ہوں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر جولی کا ساتھی ہنس کر بولا۔ ''تم نے ہماری قوت دیکھ لی ہم نے
ں چوہیا کو بھی مرنے نہیں دیا وہ جولی کو پسند تھی۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ بچے کس طرح۔'' حمید نے کہا۔ ''اس دھماکے نے تین چار
یل کا رقبہ تباہ کر دیا تھا۔''

''اپنی جدید ترین سائنسی ایجادات کی بناء پر ہمارے پاس ایسے راکٹ موجود ہیں جو آواز
ی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے اوپر جاتے ہیں۔ جس وقت دھماکہ ہوا ہم تین میل کی
لندی پر تھے۔''

''اور اب تم ارجن گھاٹی کو اپنا اڈہ بنا رہے ہو۔''

''تم بہت کچھ جانتے ہو......'' وہ حمید کو گھور کر بولا۔ ''اور یہ بہت بُرا ہے۔ بہت بُرا صرف
مہارے لئے...... ویسے ہمیں یقین ہے کہ وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ ایک چٹان کا کرشمہ تو
تم دیکھ ہی چکے ہو۔ ہم چاہیں تو ساری چٹانوں کو وہی خصوصیت بخش سکتے ہیں...... کیا سمجھے۔''

''اور وہ گھوڑا......!''

''فریدی کی ٹانگیں وہی چیرے گا۔''

''تم نے صمدانی اور اس کے پرائیویٹ سیکریٹری کو کیوں قتل کیا۔''

''تم تو اس طرح سوالات کر رہے ہو جیسے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال چکے ہو۔''
اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اچھا یہی بتا دو کہ اس بادشاہ کا کیا مطلب ہے؟''

''یہ بادشاہ ساری دنیا پر حکومت کرے گا اور اگر یہ اس وقت تک زندہ نہ رہا تو پھر ہم پاگل کتے کو ساری دنیا کا بادشاہ بنادیں گے۔'' جولی کے ساتھی نے ہنس کر کہا۔ ''کیا تمہیں قد یونانی تاریخ میں ایک ایسے گھوڑے کا تذکرہ نہیں ملتا جو ایک صوبے کا گورنر تھا۔''

تھوڑی دیر بعد حمید کو اس کی چوہیا واپس مل گئی اور وہ ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کم کیا اسے کوٹھری کہنا مناسب ہوگا۔ صرف ایک دروازہ تھا۔ فرش کی حالت بتاتی تھی کہ اسے کبھ گودام کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا ہوگا۔''

ایک بستر ایک چھوٹی سی میز اور کرسی...... یہی کل یہاں کا سامان تھا۔ چھت سے ایک بلب لٹک رہا تھا جس کا سوئچ بھی شاید باہر ہی تھا۔

حمید نے کوٹ اتار کر میز پر ڈال دیا اور چوہیا کو ہتھیلی پر رکھ کر اس کی پیٹھ سہلانے لگا۔

''مری جان! آخر تم مل ہی گئیں۔ میں تو تمہاری یاد میں بالکل دیوداس ہو رہا تھا۔ مگر شا یہ ہمارا آخری سفر ہو۔''

پھر حمید نے اسے بھی میز پر ڈال دیا۔ وہ چوہے کی موت تو نہیں مر سکتا تھا۔ اسے بہر حال رہائی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تھا لیکن ایک گھنٹے کی جانفشانیوں کے باوجود بھی وہ یہاں سے نکل جانے کی کوئی صورت نہ پیدا کر سکا۔

سردی کافی تھی اور بستر بھی ایسا نہیں تھا کہ جسے ناکافی کہا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی حمید کو نیند نہ آئی۔ تلوار اس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ لیکن اس میں حقیقت کتنی تھی کیا وہ سچ مچ اسے چھوڑ دیں گے۔ ناممکن کیونکہ جیرالڈ شاستری کو سب سے زیادہ نقصان اسی کی ذات سے پہنچا تھا۔ محض اس کی مکاری کی بناء پر اس کی وہ زمین دوز دنیا تباہ ہو گئی تھی۔

حمید نے گھڑی دیکھی۔ دو بج چکے تھے۔ دیا سلائی جلا کر وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ کسی نے گیارہ ہی بجے کمرے کی روشنی بجھادی۔

اچانک اس نے باہر دروازے پر ایک ہلکی سی آواز سنی۔ دروازہ کھلا اور کسی نے اندر داخل ہو کر دوبارہ پٹ بھیڑ دیئے۔ حمید نے جلدی سے دیا سلائی جلائی۔ آنے والے نے اپنے

ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حمید نے دوسری دیا سلائی روشن کی۔ اس کے سامنے ایک سیاہ فام ننگ دھڑنگ آدمی کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک پتلی سی لنگوٹی تھی جس میں ایک تھیلا اڑسا ہوا اس کی ٹانگوں کے درمیان جھول رہا تھا۔

''آپ سارجنٹ حمید ہیں۔'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''ہاں......لیکن تم......!''

''کچھ نہیں خاموش رہئے۔'' اس نے کہا اور کمر سے لٹکے ہوئے تھیلے سے ٹارچ نکال کر روشن دان والی دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنی سردی میں لباس کے بغیر کیسے زندہ ہے؟ اور وہ ہے کون؟

پھر اس نے کمر سے تھیلا نکال کر اسے فرش پر رکھ دیا۔ تھیلے سے ایک بوتل نکالی جس میں کوئی سیال چیز تھی۔ پھر وہ اس سیال کے چھینٹے دیوار پر مارنے لگا اور فرش کے قریب دیوار کا تھوڑا سا حصہ اس سے اچھی طرح بھگو دیا۔ چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر تھیلے سے ایک اوزار نکالا جو بیک وقت ہتھوڑی اور کلہاڑی کا کام دے سکتا تھا۔ اس نے وہ اوزار دیوار کے بھیگے ہوئے حصے پر رکھا اور وہ اس میں دھنستا چلا گیا۔ دیوار کا پلاسٹر گیلی مٹی کی طرح بے حقیقت ہو گیا تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ پھر شاید بیس منٹ کے بعد حمید نے دیوار میں ایک اتنا بڑا سوراخ دیکھا جس سے ایک آدمی لیٹ کر بآسانی نکل سکتا تھا۔

اس نے حمید کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ حمید کوٹ پہننے لگا اور اس عجیب و غریب آدمی نے تھیلے سے شراب کی بوتل نکالی اور غٹ غٹ کئی گھونٹ چڑھا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ جیرالڈ کی کوئی دوسری چال تو نہیں۔

وہ دونوں باہر نکل کر ایک طرف چلنے لگے۔ اندھیرا کافی گہرا تھا اور اب جھینگر بھی نہیں چیخ رہے تھے اور درختوں میں جگنوؤں کی جھلملاہٹ ایسی لگ رہی تھی جیسے وہی سناٹے کی آواز ہو۔ سردی بہت بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید کا ننگ دھڑنگ ساتھی بے تکان راستہ طے کر رہا تھا۔

دفعتاً وہ ایک جگہ رک گیا۔ اس نے اپنے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور قریب ہی سے کسی نے اُس کا جواب دیا دوسرے لمحے میں ایک دوسرا آدمی حمید کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے حمید کا ہاتھ پکڑا اور وہ حمید کا ساتھی نقب زن ہنستا ہوا چٹانوں میں غائب ہو گیا۔ اب حمید اس دوسرے آدمی کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ اس تبدیلی پر کچھ نہ بولا۔ بس چپ چاپ چلتا رہا۔ اس کا ساتھی اس کا ہاتھ پکڑے اونچی اونچی چٹانیں پھلانگتا ہوا تیزی سے چل رہا تھا۔ حالانکہ حمید کی سانس پھولنے لگی تھی لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولا۔ فی الحال اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اب جیرالڈ کون سی چال چلنے والا ہے۔ شاید اب وہ وہ اُسے اپنے اعتماد میں لے کر فریدی کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔

حمید کے ساتھی نے اس کی حالت کا اندازہ لگالیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی رفتار کم کردی لیکن وہ اسے ایک اجاڑ حصے کی طرف لے جا رہا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں حمید کو دور تک بکھری ہوئی چٹانیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

''بھئی میں تھک کر چور ہو گیا ہوں۔'' حمید بالآخر بولا۔ ''اگر ہم تھوڑی دیر ستالیں تو کیا حرج ہے۔''

اس کا ساتھی جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔ حمید نے اس سے ذرا ہٹ کر ایک بڑے سے پتھر سے ٹیک لگائی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ بھی جیرالڈ ہی کا کوئی آدمی ہے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ اس سے نپٹ لے۔

اس نے دوسرے ہی لمحے میں اس پر چھلانگ لگادی۔

''ابے پاگل ہوا ہے کیا؟'' اس کے ساتھی نے اسے دبوچتے ہوئے کہا اور حمید کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

آواز فریدی کی تھی۔

ترغیب

حمید نے تحیر آمیز نظروں سے اس چھوٹے سے غار کا جائزہ لیا۔ یہاں وہ ساری چیزیں موجود تھیں جو ایک آدمی کی معمولی ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ مٹی کے تیل کا ایک صاف روشنی دینے والا لیمپ روشن تھا اور اسٹوو کی مسلسل سنسناہٹ غار میں گونج رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی کافی کے برتن سے اٹھنے والی خوشبو دار بھاپ، حمید کی بھوک چمک اٹھی اور اس نے فریدی کی طرف دیکھا جو ہونٹوں میں سگار دبائے کھڑا کافی کے برتن کو گھور رہا تھا۔

''کیا آپ میڈرڈ ہی سے واپس آ گئے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں گیا ہی نہیں...... جیرالڈ کے ساتھی نے تم سے ٹھیک کہا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ہی یہاں کے لئے روانہ ہوا تھا۔''

''آپ ہمیشہ مجھے موت کے منہ میں جھونک دیتے ہیں۔''

''اور اتنی ہی آسانی سے پھر نکال بھی لیتا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''وہ آدمی کون تھا......؟''

''یہاں کا ایک ماہر نقب زن......!'' فریدی نے کہا۔ ''میں نے جب یہ دیکھا کہ وہ لوگ تمہیں اس بھیس میں پہچان گئے ہیں تو میں نے اپنی جدوجہد اور تیز کر دی۔ میں جانتا تھا کہ وہ تمہیں میرے لئے پکڑیں گے ضرور...... مگر افسوس میں ان پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔''

''کیوں؟ اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ آپ انہیں اسی وقت پکڑ سکتے تھے۔''

''بیکار...... جیرالڈ ان میں نہیں تھا...... اور وہی میرا شکار ہے۔''

''ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے بھیس میں رہا ہو۔''

''نہیں میں اُسے ہر بھیس میں پہچان سکتا ہوں۔ وہ اپنی آنکھیں نہیں بدل سکتا اور اس کی آنکھیں لاکھوں میں پہچانی جا سکتی ہیں۔''

''مگر وہ پاگل آدمی...... آخر وہ کون ہے اور اس کا کیا مقصد ہے۔''

''فی الحال میں نہیں بتا سکتا۔ میں سمجھ ہی نہیں سکا۔ لیکن اتنی بات جانتا ہوں کہ وہ کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ورنہ یہ لوگ ایسے نہیں کہ اس قسم کی تفریحات میں وقت ضائع کریں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔

''تو پھر اب تو یہ بات صاف ہوگئی کہ صمدانی اور اس کی سیکریٹری کا قتل اسی الماری کی وجہ سے ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس میں کروڑوں کا مال رہا ہوگا۔''

''مگر صمدانی کا قتل کیوں!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''ان کا یہ مقصد اُس قتل کے بغیر بھی حل ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ صمدانی اس دفتر میں سوتا نہیں تھا اور اس کی سیکریٹری کسی وقت بھی دفتر میں داخل ہوسکتی تھی۔ اس کی عدم موجودگی میں اپنے ساتھ آدمی بھی لے جاسکتی تھی۔ کسی کو ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوتا۔''

''ہوسکتا ہے صمدانی کچھ بھانپ گیا ہو۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں یہ ممکن ہے۔'' فریدی نے کہا اور اسٹوو پر سے کافی کے برتن اتارنے لگا۔

پھر وہ خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ اچانک حمید کو انور یاد آ گیا۔

''انور سجاد کے جنرل منیجر کے لئے کام کررہا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے......اور وہ جو کچھ بھی کررہا ہے اُسے کرنے دو۔''

''قاسم بھی یہیں آ گیا ہے اور اُسے رشیدہ سے عشق ہوگیا ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''میجر نصرت وغیرہ بیکار وقت اور جانیں ضائع کررہے ہیں۔ وہ اس نیم وحشی آدمی کا ٹھکانہ نہیں معلوم کرسکیں گے۔''

''اوہ......اُسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔'' حمید نے کہا۔ ''آخر یہ حیرت انگیز آدمی؟ اس کا مقصد بھی میں نہیں سمجھ سکتا۔ آخر اس کی پیٹھ پر لمبے لمبے بال کیسے اُگ آئے۔''

''کیا تم اُن بن مانسوں کو بھول گئے۔''

''لیکن اس گھوڑے کا کیا مقصد ہے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ اتنی معمولی سی بات تمہاری سمجھ میں نہ آ سکی۔'' فریدی سگار سلگا کر بولا۔ ''وہ محض لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے ہے۔ ایک عجوبہ! لوگ اس کا تعاقب کرتے ہیں اور تعاقب کرنے والے لاپتہ ہو جاتے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جیرالڈ کی وہ زمین دوز دنیا چند آدمیوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ جیرالڈ ارجن گھاٹی میں دوسری زمین دوز رہائش گاہیں تعمیر کرا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے بہت سے کام کرنے والوں کی ضرورت پیش آئے گی اور اس کے لئے روپیہ حاصل کرنے کا طریقہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ صمدانی کی الماری۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ نیم وحشی تعاقب کرنے والوں کو کس راستے سے چٹانوں کی طرف لے جاتا ہے۔'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''ظاہر ہے کہ وہ آسان ہی راستہ ہوگا ورنہ لوگ کیوں اس کے پیچھے سر مارتے پھیریں۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''اور میں اُسی راستے کی تلاش میں ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ راستہ بھی انتہائی خطرناک ہوگا'' حمید نے کہا۔ ''اُس خونی چٹان کی طرح...... اور وہ کہہ بھی رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ وہاں کی ساری چٹانوں کو اتنا ہی مہلک بنا سکتے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ انہوں نے کافی ختم کی اور حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اب اُن چٹانوں پر بمباری کی جائے گی۔''

''ان کے لئے ایٹم بم چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''مگر خیر...... یہ فضول کاروائی بھی میرے لئے مفید ثابت ہوگی۔''

''بہتیری باتیں ہیں...... مگر میرا خیال ہے کہ اب تم تھوڑا سا سو لو۔''

''ناممکن...... شائد ہی نیند آئے۔ جولی بڑی حسین لڑکی تھی...... ان کم بختوں نے

گڑبڑ کر دی ورنہ میں اُسی وقت اس سے شادی کر لیتا۔''

''اونہہ......!'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''کام کی باتیں کرو......اب تمہارے لئے یہ پروگرام ہے کہ تم دو دن تک شیزان ہوٹل میں نہیں جاؤ گے......اور اب یہ کیپٹن پرکاش والی حیثیت ختم کرو۔ تم دوسرے میک اپ میں شہر جاؤ۔ اپنے لئے دوسرا سامان خریدو......دو دن تک کسی دوسرے ہوٹل میں قیام کرو۔ پھر وہاں سے شیزان منتقل ہو جاؤ۔ انور رشیدہ اور قاسم سے ملنے کی ضرورت نہیں......ان سے الگ ہی رہو۔''

''اور مجھے کرنا کیا ہوگا۔''

''مکھی مارنا......جب ضرورت ہوگی طلب کر لوں گا۔''

اچانک حمید کو وہ پُر اسرار انگریز مورگن یاد آ گیا جو سوٹ کیس میں ایک سیمی مشین گن لئے پھرتا تھا۔ اُس نے فریدی سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر ہے چالاک......میں ایک بار بھی اس کا تعاقب کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔''

فریدی کچھ سوچنے لگا......پھر اس نے کہا۔ ''کام بڑھتا ہی جا رہا ہے......مورگن کے متعلق تم میجر نصرت کو مطلع کر دو۔ اُس سے کہو کہ وہ اس کی نگرانی کرائے۔ لیکن فی الحال پکڑنے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا میں یہ کام نہیں کر سکتا۔'' حمید بولا۔

''نہیں ......میں نہیں چاہتا کہ اب کی وہ لوگ تمہیں ختم ہی کر دیں۔''

''پھر میں کیا کروں گا۔''

''تفریح......ویسے تم مورگن پر نظر رکھ سکتے ہو۔ لیکن کسی کے تعاقب کے چکر میں نہ پڑنا سمجھے۔''

''کیا آپ مستقل طور پر اسی غار میں رہیں گے۔''

''ہاں...... یہ ارجن گھاٹی سے نزدیک ہے لیکن تم کبھی خود سے یہاں آنے کی حماقت نہ کرنا......مجھے جب ضرورت ہوگی کسی نہ کسی ذریعے سے بلوا لوں گا یا خود ہی تم تک پہنچ جاؤں گا۔''

''اچھا یہ بتایئے کہ آپ کو اس معاملے میں جیرالڈ کا خیال کب اور کیسے ہوا۔''

''محض طریقہ کار کی بناء پر۔ اس نیم وحشی آدمی کی شخصیت اور تعاقب کرنے والوں کی گمشدگی۔ تم پر اس وحشی کا حملہ......وہ عجیب وغریب چٹان......اس صدی میں جیرالڈ کے علاوہ اور کون ایسا پیدا ہوا ہے جو اتنے سائنسی طریقے اختیار کر سکے۔''

حمید اونگھنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے اُسے جھنجھوڑ کر کہا۔ ''اچھا اب میں تمہیں کسی ایسی جگہ چھوڑ آؤں جہاں سے تم بآسانی شہر تک پہنچ سکو۔ لیکن اس سے پہلے میک اپ دیکھو......بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور میں ایسے موقع پر تمہیں رومان لڑانے کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔''

میک اپ میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ شاید فریدی نے سامان پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔

چلتے وقت اس نے حمید سے کہا۔ ''جناب اپنی اس چہیتی چوہیا کو یہیں چھوڑ جائیں تو بہتر ہے ورنہ ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ یہ کمبخت بھی بڑی سخت جان نکلی۔''

حمید بدقت تمام اس پر راضی ہوا۔ ''لیکن دیکھئے۔'' اس نے کہا۔ ''اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ میں اس کی زندگی کا بیمہ کرانے والا ہوں اور پھر برخوردار بغرا خاں سے اس کی شادی کروں گا۔''

''بعض اوقات تمہاری بکواس بڑی غیر دلچسپ ہوتی ہے۔ ہنسانے کے چکر میں احمق ہوئے جا رہے ہو۔''

اس ریمارک پر حمید کچھ جھینپ سا گیا اس لئے اُس نے یک بیک سنجیدہ بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں میجر نصرت کو یہاں آپ کی موجودگی سے مطلع کر سکتا ہوں۔''

''نہیں......اس کی ضرورت نہیں۔''

''پھر میں مورگن کی نگرانی کے لئے کس حوالے سے کہوں گا۔''

''مارو گولی......میں چاہتا ہی نہیں کہ اب تم میجر نصرت سے ملو۔ مورگن کو بھی جہنم میں ڈالو......مجھے تو جیرالڈ کی تلاش ہے۔''

''ہوسکتا ہے مورگن ہی جیرالڈ ہو۔''

''کیا وہ تاریک چشمہ لگاتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں ......!''

''تب تو وہ جیرالڈ نہیں ہوسکتا......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''لیکن کیپٹن پرکاش کے سامان کا کیا ہوگا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ میں نے نقدی اپنے پاس ہی رکھی تھی۔''

''اب تم کھسکو......!'' فریدی دانت پیس کر اُسے گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔

حمید کو شہر پہنچتے پہنچتے صبح ہوگئی۔ اس نے سب سے پہلے احتیاط ایک تاریک شیشوں والی عینک خریدی پھر روزانہ کی ضرورت سے متعلق سامان خرید کر ایک متوسط درجہ کے ہوٹل میں مقیم ہوگیا۔

اسی دوپہر اس نے خبر سنی کہ ارجن گھاٹی میں ایک سرکاری طیارے سے بمباری کی گئی تھی لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ پھر شام ہوتے ہوتے اس عجیب وغریب چٹان کے متعلق طرح طرح کی خبریں گشت کرنے لگیں۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ خبر تھی کہ جیسے ہی طیارہ اس چٹان پر سے گزرنے لگا۔ اس میں خود بخود آگ لگ گئی اور وہ گر کر تباہ ہوگیا۔

لیکن دوسرے دن کے اخبارات نے اس کی تردید کردی۔ وہ سو فیصدی افواہ تھی۔ لیکن اس سلسلے میں صحیح خبر بھی کم حیرت انگیز نہ تھی۔ اس چٹان پر دس پونڈ وزنی کئی بم گرائے گئے لیکن اس سے ایک معمولی سا ٹکڑا بھی الگ نہیں ہوا۔ وہ جوں کی توں قائم رہی اس کے برعکس دوسری بہتیری چٹانوں کے کافی حصے تباہ ہوگئے۔ آگے چل کر لکھا کہ اس بمباری کے نتیجے میں ٹوٹ پھوٹ کے باوجود بھی چٹانوں کو پار کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں بن سکا۔ اسی کے ساتھ ہی یہ خبر بھی تھی کہ پچھلے دو دنوں سے وہ نیم وحشی آدمی نظر نہیں آیا۔

اسی دن کے اخبار میں حمید کو ایک دوسری حیرت انگیز چیز نظر آئی۔ یہ کسی مسٹر فیلڈ کے بنگلے میں نقب زنی سے متعلق تھی۔ خبر کے مطابق مسٹر اور مسز فیلڈ جو اپنے ایک نیم دیوانے چچا کے علاج کے سلسلے میں رام گڑھ میں مقیم ہیں۔ اپنا بہت سا سرمایہ کھو بیٹھے۔ چوری نقب کے ذریعے ہوئی۔ مسروقہ چیزوں میں مسز فیلڈ کی پالتو چوہیا بھی تھی جسے موصوفہ نے بڑی محنت سے ٹرین کیا تھا اور وہ کئی طرح کے کرتب دکھاتی تھی۔

پولیس میں رپورٹ درج کرادی گئی ہے۔

حمید کو ان لوگوں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہونے لگی۔

حمید اور فریدی کے لئے یہ ایک کھلا ہوا چیلنج تھا یعنی وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ رہی جوہیا تو حمید اُسے کسی عدالت میں بھی اپنے دعوے کے ثبوت میں نہیں پیش کرسکتا تھا۔ بہرحال وہ ان لوگوں پر یہی ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ فریدی یا حمید اُن کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہیں کرسکیں گے۔

حمید ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کے فرار ہوجانے کے بعد وہ لوگ اس عمارت میں نہ ٹک سکیں گے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا۔

دو دن گزرنے کے بعد حمید نے پھر شیزان ہوٹل کی راہ لی اور اُسے ایک خالی کمرہ مل ہی گیا۔ سب سے پہلے اس نے مورگن کی خبر لی۔ وہ بدستور وہاں مقیم تھا...... انور، رشیدہ اور قاسم بھی تھے۔ لیکن حمید کو انور کی مصروفیت کے متعلق کچھ نہ معلوم ہوسکا۔

البتہ اسی شام کو وہ قاسم کی ایک حماقت سے کافی محظوظ ہوا۔

ہوا یہ کہ رشیدہ ایک خالی کیبن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ حمید کھلے ہال میں کیبن کے سامنے والی میز پر بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا کہ قاسم اپنے ہاتھ میں گٹھری سی لٹکائے ہوئے اس کے قریب سے گزرا اور رشیدہ والے کیبن میں چلا گیا۔ اُس نے وہ گٹھری میز پر رکھ دی۔

''یہ کیا ہے؟'' رشیدہ نے پوچھا۔

''گوبھی کے تازہ ترین پھول۔'' قاسم نے سعادت مندی سے کہا۔

''تم پاگل تو نہیں ہوگئے۔'' رشیدہ جھنجھلا گئی۔ ''کل بھی تم نے یہی حرکت کی تھی۔ مگر میں ہنس کر ٹال گئی تھی۔''

''تو کیا وہ پھول باسی تھے۔'' قاسم نے پوچھا۔

''آخر یہ ہے کیا بدتمیزی...... اور آج تم انہیں یہاں سب کے سامنے اٹھا لائے۔''

''کمرے میں پہنچا دوں......!'' قاسم نے بڑی لجاجت سے کہا۔

''میں کہیں تمہارے سر پر چائے دانی نہ توڑ دوں۔'' رشیدہ آپے سے باہر ہوگئی۔

''مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ تمہیں گوبھی کے پھول پسند ہیں۔'' قاسم رونی شکل بنا کر بولا۔

''کس گدھے نے کہا۔''

''حمید بھائی نے......!''

''اوہ......!'' رشیدہ خاموش ہوگئی پھر ہنسنے لگی اور اس نے کہا۔ ''تم آخر اتنے بیوقوف کیوں ہو۔''

''اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے۔'' قاسم بُرا مان گیا۔ ''تم کبھی کچھ کہتی ہو کبھی کچھ۔ ایک بار تم نے کہا تھا کہ میں بالکل بے وقوف نہیں ہوں اور اب بیوقوف ہوں۔''

رشیدہ کی ہنسی تیز ہوگئی۔ آخر بدقت تمام وہ سنجیدگی اختیار کرنے میں کامیاب ہوئی اور اس نے پوچھا۔

''دو دن سے حمید صاحب نہیں دکھائی دیئے۔''

''دکھائی تو دے سالا......!'' قاسم دانت پیس کر بولا۔ ''میں اسے کچا چبا جاؤں گا۔''

حمید کو ہنسی ضبط کرنا دشوار معلوم ہورہا تھا اس لئے وہ وہاں سے اٹھ گیا۔

قاسم بھی طرح طرح کے منہ بناتا ہوا کیبن سے نکل آیا۔ اگر اسے واقعی حمید مل جاتا تو وہ اُسے مار بیٹھنے سے بھی نہ چوکتا۔ وہ حمید کو دل ہی دل میں گالیاں دیتا ہوا ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔

شام کافی خوشگوار تھی اور ہال میں لوگوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ لڑکیوں کی بہتات تھی۔ قاسم اپنے ہونٹ چاٹتا ہوا ایک ایک کو گھورنے لگا۔ پھر اس کی نظریں ایک اینگلو انڈین عورت پر جم گئیں جو کافی لحیم شحیم تھی اور عمر اٹھائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اس نے بھی قاسم کی طرف دیکھا اور پھر بڑی ادا سے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

قاسم کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اس عورت کو گھورے جارہا تھا۔ اب کی بار اس نے قاسم کو آنکھ ماردی۔ بس پھر کیا تھا...... قاسم کی روح اس کے جسم کے اندر سر کے بل کھڑی ہوگئی۔ اس

کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اس کو آنکھ مار دے۔ لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ اُسے آنکھ مارنا آتا ہی نہیں تھا۔ وہ اکثر آئینہ سامنے رکھ کر آنکھ مارنے کی مشق کیا کرتا تھا۔ مگر اس کی دونوں آنکھیں بند ہوجاتی تھیں اور اوپری ہونٹ سکڑ کر ناک سے جاملتا تھا۔

عورت بار بار اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ قاسم نے سوچا کہ اسے بھی کم از کم جواب میں مسکرانا تو ضرور چاہئے' ورنہ وہ جانے کیا خیال کرے۔ قاسم کو اپنی مسکراہٹ پر بھی قابو نہیں تھا۔ اس کے بتیسوں دانت نکل آئے پھر اس نے عورت کو باہر جاتے دیکھا اور تعاقب کا بھوت اس کے سر پر سوار ہوگیا۔

جب آنکھ کھلی

باہر نکل کر وہ عورت ایک کار میں بیٹھی اور ایک طرف روانہ ہوگئی۔ وہ خود ہی کار ڈرائیو کررہی تھی۔

قاسم نے بھی ایک ٹیکسی لی اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ اگلی کار شہر سے نکل کر ایک ویران سڑک پر ہولی۔ قاسم نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ تعاقب برابر جاری رہا۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا اور چٹانوں پر نارنجی رنگ کی دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ اچانک ایک جگہ اگلی کار رک گئی۔ قاسم کی ٹیکسی کافی فاصلے پر تھی۔ عورت کار سے نکل کر سڑک کے کنارے کھڑی ہوگئی اور اس طرح ہاتھ ہلانے لگی جیسے ٹیکسی کو رکوانا چاہتی ہو۔ ڈرائیور نے پلٹ کر قاسم کی طرف دیکھا۔

''روک دو پیارے۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ اسے توقع نہ تھی اس کی۔

ٹیکسی رک گئی اور عورت اس کی طرف بڑھی۔ قاسم کے سارے جسم پر پسینہ چھوٹ پڑا۔ معلوم نہیں وہ اس سے کس طرح پیش آئے۔

''اوہ......تم آ ہی گئے ڈارلنگ۔'' عورت نے سریلی آواز میں کہا اور قاسم اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

''جاؤ تم جاؤ۔'' قاسم ڈرائیور کے ہاتھ میں دس دس کے دو نوٹ ٹھونستا ہوا بولا اور اناج سے بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی سے نیچے لڑھک گیا۔

ٹیکسی واپس چلی گئی اور قاسم وہیں کھڑا ہانپتا رہا۔ عورت اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔

''تم بڑے پیارے ہو ڈارلنگ......!'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''مم...... میں...... ہاں میں بڑا پیارا ہوں۔'' قاسم نے جلدی سے کہا اور پھر غلطی کا احساس ہونے پر اپنے ہونٹ مسلنے لگا۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں۔'' عورت نے کہا۔

اور نہ جانے کیوں قاسم نے جھینپ کر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

اس کی آنکھیں بھی جھک گئیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

''بڑی خوشگوار شام ہے۔'' عورت بولی۔ ''آؤ ہم تھوڑی دیر کسی چٹان پر بیٹھ کر دنیا کے غم بھول جائیں۔''

''بھول جائیں غے۔'' قاسم ہکلایا۔

''آؤ تم میری مدد کرو۔'' عورت نے کہا اور اپنی کار سے ایک ٹوکری نکالی جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ تھرماس اٹھایا...... قاسم نے ٹوکری اور تھرماس لے لئے۔ پھر وہ دونوں ایک طرف چلنے لگے۔

وہ دو چٹانوں کی ایک درمیانی دراڑ میں آ بیٹھے۔

''میں تمہیں خواب میں دیکھا کرتی تھی۔'' عورت بولی۔

''میں بھی دیکھتا تھا۔'' قاسم نے کہا۔ اب اس کی بدحواسی کچھ دور ہوگئی تھی۔

''تم بڑے اچھے ہو۔'' عورت اٹھلائی اور اس نے ناشتے کی ٹوکری سے دو گلاس نکالے۔

''ہم ایک دوسرے کا جام صحت پئیں گے۔'' اس نے کہا۔

''ضرور پئیں گے۔'' قاسم بولا اور وہ ناشتے کی ٹوکری خالی کرنے میں اس کا ہاتھ بھی بٹانے لگا۔ پائیاں، چاپس، تلے ہوئے چوزے دستر خوان پر رکھ دیئے گئے۔ قاسم کو اور چاہیے بھی کیا تھا۔عورت......اور کھانے پینے کا سامان، تلے ہوئے چوزے دیکھ کر پہلے ہی اس کی رال ٹپکنے لگی تھی۔

تھرماس سے گلاسوں میں شراب انڈیلی گئی۔ دونوں نے گلاس ٹکرائے اور قاسم ایک ہی سانس میں اپنا گلاس خالی کر گیا۔ اس نے آج زندگی میں دوسری بار شراب پی تھی اور اُسے اپنا پچھلا تجربہ بھی یاد آنے لگا تھا۔ اچانک اسے اپنے باپ کا ہنٹر بھی یاد آ گیا لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی کیونکہ آج پہلی بار اُس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوئی تھی یعنی ایک ''تگڑی'' سی عورت کا قرب نصیب ہوا تھا۔

حالانکہ صرف اس نے ایک ہی گلاس پیا تھا اور ظاہر ہے کہ کمزور اعصاب کا آدمی بھی نہیں تھا۔ مگر پھر بھی اُس کا دماغ الٹ گیا۔

''جانِ من......!'' وہ عورت کی گردن دبوچ کر بولا۔ ''میں دنیا کا سب سے زیادہ طاقت ور آدمی ہوں...... میں لوہے کی بڑی بڑی بلاخیں...... بلاخیں......نہیں سلاخیں موڑ سکتا ہوں۔ منہ سے گوہے کے لولے نکال سکتا ہوں۔''

''گوہے کے لولے کیا چیز۔'' عورت نے ہنس کر گردن سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''گوہے کے لولے نہیں، لوہے کے گولے۔'' قاسم نے کہا۔

''تم واقعی ایسے معلوم ہوتے ہو......لو اور پیو۔'' اس نے تھرماس سے اس کے گلاس میں اور انڈیل دی۔

قاسم دوسرا گلاس خالی کر کے اٹھا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھانے لگا۔ اتنا بڑا کہ تین آدمی بھی اسے اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتے۔ اس نے اسے اٹھا کر چار پانچ گز کے فاصلے پر اچھال دیا۔ عورت حیرت سے منہ پھاڑے اُسے گھور رہی تھی۔ لیکن اب شراب اپنا کام کر چکی تھی۔ قاسم کو کھڑے ہی کھڑے بڑے زور کا چکر آیا اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

عورت کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا تھا۔ اس نے اپنا گلاس جس سے ابھی تک ایک گھونٹ بھی نہیں پیا گیا تھا اٹھایا اور زمین پر الٹ دیا۔

قاسم کئی گھنٹے تک بے ہوش رہا اور جب اُسے ہوش آیا تو وہ یہی سمجھا کہ شاید وہ اپنے کمرے میں سورہا ہے۔ اس نے کروٹ بدلی اور اس کے نیچے خشک گھاس کرکرا کر رہ گئی۔ وہ اونگھ رہا تھا اور اسی اونگھنے کے دوران میں اسے وہ تنگڑی سی عورت یاد آئی اور اس کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے نیچے سوکھی ہوئی گھاس کا ڈھیر تھا اور وہ جہاں بھی تھا وہاں سے اُسے آسمان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے آنکھیں ملیں اور چندھیایا ہوا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ کسی غار میں تھا اور وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ اس غار میں بجلی کا بلب روشن دیکھ کر بوکھلا نہ جاتا۔

آہستہ آہستہ اس کے حواس خمسہ بیدار ہوتے جارہے تھے اور اب اُسے اس شور کا احساس ہوا جو اُسے پہلے بھی مسلسل سنائی دیتا رہا تھا۔ مگر اس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے پتھر توڑے جارہے ہوں۔

وہ گھبرا کر غار کے دہانے سے نکل آیا۔ پہلے تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ اندھیرے سے دھوپ میں آ گیا ہو لیکن پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ بجلی کی بہت ہی تیز قسم کی روشنی تھی اور اس کے سامنے بے شمار آدمی چھینیوں اور ہتھوڑیوں سے پتھر کی دیواریں تراش رہے تھے۔

ایک پستہ قد اور موٹا سا انگریز اس کی طرف جھپٹا۔

''تم جاگ پڑے...... بدمعاش...... سور...... کمینے۔'' وہ قاسم کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

''زبان سنبھال کے ذرا......!'' قاسم کو غصہ آ گیا۔

''تم میری عورت کو خراب کرنا چاہتے تھے۔'' انگریز نے چیخ کر کہا اور قاسم اردو میں ہکلانے لگا۔

''ارے توبہ...... ارے پیارے...... نہیں تو الاقسم......!''

''میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گا۔''

قاسم کانپنے لگا۔ اب اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ آخر اُس نے بہت سوچ کر کہا۔ ''نہیں میں تو تمہاری بیوی کو اپنی طاقت کا نمونہ دکھا رہا تھا۔''

''بکتے ہو......!'' انگریز چیخا۔

''اس سے پوچھو کیا میں نے اُسے ایک بڑا وزنی پتھر اٹھا کر نہیں دکھایا تھا۔ کوئی دس بارہ من رہا ہوگا۔''

''دس بارہ من......!'' انگریز بگڑ کر بولا۔ ''اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہوگا۔''

''نہیں القسم......یعنی کہ بائی گاڈ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔''

''ابھی امتحان ہو جاتا ہے۔'' انگریز نے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ اُسے ایک ایسی جگہ لایا جہاں پتھر کی بہت بڑی بڑی سلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ''ان میں سے کوئی ایک اٹھا سکتے ہو۔'' انگریز نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں......؟''

''اچھا تو جہاں میں کہوں ایک اٹھا کر لے چلو۔''

قاسم نے جھک کر ایک سل اٹھائی اور انگریز کے ساتھ چلنے لگا۔ اُسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔

''یہیں ساری سلیں اٹھا لاؤ۔'' انگریز بولا۔

''کیوں اٹھا لاؤں.....تمہارے باپ کا نوکر ہوں۔''

''گردن توڑ دی جائے گی۔'' انگریز اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''یہی کیا کم ہے کہ میں نے تمہیں زندہ رہنے دیا......تم میری بیوی کو پھانس رہے تھے۔''

''وہ خود مجھے پھانس کر لائی تھی۔''

''بکواس ہے......جو کام کہا جائے چپ چاپ کرو......ورنہ مار ڈالے جاؤ گے۔''

''واہ اچھی زبردستی ہے۔''

''چلو......ورنہ تمہارا قیمہ کر دیا جائے گا۔''

قاسم نے سوچا بُرے پھنسے......نہ جانے یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ اس نے

چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ لوگ بڑے انہماک سے اپنا کام کر رہے تھے لیکن سب انگریز نہیں تھے۔ انکی حالت تباہ تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان سے بھی زبردستی کام لیا جا رہا تھا۔

قاسم چپ چاپ سلیں ڈھونے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں سچ مچ اسے پولیس کے حوالے نہ کر دیا جائے اور اگر اس عورت نے بھی اسی کے خلاف شہادت دی تو پھر مصیبت ہی آ جائے گی۔ سلیں ڈھو چکنے کے بعد وہ چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

یہاں اس پستہ قد کے علاوہ دو انگریز اور بھی تھے مگر وہ کام نہیں کر رہے تھے۔

''اے تم ایڈھر سنو......!'' انگریز نے ایک مزدور کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اس موٹے آدمی کو کام بتاؤ۔''

مزدور نے قاسم کو اشارہ کر کے پاس بلایا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' قاسم نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' مزدور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''آپ آج ہی پھنسے ہیں کیا۔''

''پھنسا ہوں......کیا مطلب۔''

''کیا آپ اس حرامزادے کا پیچھا کرتے نہیں آئے تھے۔''

''کس حرامزادے کا۔''

''وہی......حضرت سلیمان کا گھوڑا۔''

''ارے......!'' قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''کیا وہی تمہیں لایا تھا۔ تو کیا تم لوگ وہی ہو جو اس کے پیچھے دوڑے تھے۔''

''جی ہاں......اور اب ہم قیدی ہیں۔ ہم سے زبردستی یہ کام لیا جا رہا ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی انکار کرتا ہے تو وہ ظالم اسے مارتے مارتے ادھ موا کر دیتا ہے۔''

''کون مارتا ہے؟''

''وہی جانور......گھوڑا۔''

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ قاسم نے گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز سنی اور پھر اُسے وہ

حیوان نما انسان دکھائی دیا۔ جس کی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال کے سے بال تھے۔ وہ اس وقت بھی گھٹنوں کے بل چل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کام کرنے والوں کے ہاتھ پیر تیزی سے چلنے لگے۔ وہ گھٹنوں کے بل چلتا ہوا گویا کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کے آتے ہی وہاں سے سارے لوگ چلے گئے۔ کام بڑی تیزی سے ہو رہا تھا۔ دفعتاً اس حیوان نما انسان نے گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے ایک مزدور کو دولتی جھاڑ دی وہ بے چارہ سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا اور چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا لیکن کام بدستور جاری رہا۔ کسی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ کام کرنے والوں کی نظریں سامنے تھیں اور ان کے ہاتھ مشینوں کی طرح چل رہے تھے لیکن چہرے تو مشین تھے نہیں کہ ان پر خوف کے آثار نظر نہ آتے۔

قاسم گرے ہوئے ہوئے مزدور کو اٹھانے دوڑا۔

''تم کام نہیں کرتا سالا......!'' وحشی نے دہاڑ کر کہا۔

قاسم اس کی پرواہ کئے بغیر اُسے اٹھانے کے لئے جھکا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے اوپر بھی دولتی پڑی۔ اگر قاسم نے اپنے ہاتھ زمین پر نہ ٹیک دیئے ہوتے تو اس کے چہرے کا بھرتہ بن گیا ہوتا۔

قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ غصے کی آگ اس کے سارے جسم میں بھڑک اٹھی۔

''ہم سالومن کا گھوڑا...... مالم......!'' وحشی نے ہنہنا کر کہا۔

''تیری دم میں نمدا باندھوں سالے......میں ہاتھی ہوں۔'' قاسم اس پر ٹوٹ پڑا۔

وحشی بڑی پھرتی سے اس کی گرفت سے نکل گیا۔ اب وہ بھی سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ بہت زیادہ خوفناک نظر آنے لگا۔ ہونٹ کانوں کی لوؤں تک پھٹے معلوم ہو رہے تھے۔ قاسم تو غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ اُسے اس کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ پھر اس سے لپٹ پڑا۔ لیکن قاسم نے دوسرے ہی لمحے محسوس کیا کہ اس کا سارا جسم لوہے کی طرح سخت ہے۔ دونوں زور کرنے لگے۔

اچانک کام رک گیا اور کام کرنے والے چیخ چیخ کر قاسم کا دل بڑھانے لگے اور پھر تین

چار انگریز بھی آ گئے۔ انہوں نے تحیر آمیز نظروں سے ان دونوں کو دیکھا اور کشتی ختم کرانے کے لئے زور زور سے چیخنے لگے۔

لیکن وہ کسی طرح بھی الگ نہیں ہوئے۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ وہ دوسرے کو زمین پر گرادے لیکن ابھی تک کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ ''سانوٹے ہٹ جا......ورنہ بہت مار کھائے گا۔''

اس آدمی میں نہ جانے کیا تھا کہ وحشی کے ہاتھ پیر کانپنے لگے اور وہ یکلخت اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ قاسم اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اسی آواز نے کہا۔

''ٹھہرو......!''

قاسم نے رک کر آواز کی طرف دیکھا۔

ایک دراز قد انگریز سامنے کھڑا تھا جس کے چہرے کے دوسرے خدوخال اور آنکھوں میں ہم آہنگی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آنکھیں اس کے چہرے سے بالکل ہی الگ ہوں۔

قاسم اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ جیرالڈ شاستری تھا۔

''ارے آپ شاستری صاحب۔'' قاسم چیخ کر اس کی طرف بڑھا۔

''ہاں میں ہوں۔'' جیرالڈ نرم لہجے میں بولا۔ ''تم تو پہلے بھی ہمارے دوست تھے۔''

''اب بھی دوست ہی ہوں۔'' قاسم بولا۔

کام پھر شروع ہو گیا تھا۔ جیرالڈ وحشی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''سانوٹے اپنے غار میں جاؤ۔''

وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' جیرالڈ نے قاسم سے کہا۔

وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لایا جو مکمل ہو چکا تھا۔ یہ کمرہ قاسم کو ویسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے جیرالڈ کی پچھلی زمین دوز دنیا میں دیکھے تھے۔

جیرالڈ اُس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور اس سے اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ اس کی شادی کسی تگڑی سی عورت سے کر دے گا۔ پھر اس نے پوچھا۔

''فریدی اور حمید کہاں ہیں!''

''فریدی کا پتہ نہیں......!'' قاسم نے کہا۔''لیکن حمید شیزان ہوٹل میں ہے۔ اس نے میک اپ کر رکھا ہے اور وہ خود کو کیپٹن پر کاش کہتا ہے۔ لیکن دو دن سے دکھائی نہیں دیا۔ اُسے ضرور پکڑوائیے......میں اس کی مرمت کرنا چاہتا ہوں......لاحول ولاقوۃ گوبھی کے پھول...... چھی چھی۔''

قاسم کی گھڑی

شیزان کے منیجر کے کمرے میں ایک پولیس انسپکٹر منیجر کا بیان درج کر رہا تھا۔ انور اور رشیدہ بھی موجود تھے۔ بیان ختم ہو جانے کے بعد پولیس انسپکٹر کاغذ پر نظر ثانی کرتا ہوا فاؤنٹین پن کو جیب میں رکھنے لگا۔

''شیزان میں ایسے واقعات پہلی بار ہوئے ہیں۔'' منیجر بولا۔ ''پہلے کیپٹن پر کاش غائب ہوا پھر یہ قاسم صاحب......!''

''اس دوسرے آدمی کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ پیسے ختم ہو جانے کی وجہ سے سامان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کے سوٹ کیس میں تیس ہزار کے نوٹ موجود ہیں۔'' پولیس انسپکٹر نے کہا۔

''وہ کوئی مفلس آدمی تو نہیں ہے۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔''

''اوہ ٹھیک ہے۔'' پولیس انسپکٹر جیب سے دوبارہ فاؤنٹین پن نکالتا ہوا بولا۔ ''آپ نے اس کا پتہ تو لکھوایا ہی نہیں۔''

رشیدہ نے قاسم کا پتہ لکھوا دیا کچھ دیر بعد انور اور رشیدہ منیجر کے آفس سے نکل آئے۔ وہ دونوں کافی دیر خاموش رہے پھر رشیدہ بولی۔

''انور......اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہئے۔''

''کیوں......!''

''بس یونہی......اب میں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہتی۔''

''تم شوق سے جاسکتی ہو۔''

''ہم آج ہی شام کی گاڑی سے واپس جائیں گے۔'' رشیدہ نے کہا۔

''تم جاؤ......! مجھے مجبور نہ کرو......کہ......!''

''خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ۔ تم اب تک یہاں جھک ہی تو مارتے رہے ہو۔ تم نے کیا معلوم کیا اب تک......کیا کیا......!''

''کچھ بھی نہیں......لیکن ارجن گھاٹی والا واقعہ مجھے روکے رکھنے کے لئے کافی نہیں۔''

''میں تمہیں اس معاملے میں ٹانگ نہیں اڑانے دوں گی۔ سمجھے۔'' رشیدہ بولی۔

''تب تمہیں آج ہی یہاں سے سفر کرنا ہوگا......معلوم ہوتا ہے کہ قاسم کے بغیر دل نہیں لگ رہا ہے۔''

''میں تمہارا منہ نوچ لوں گی......سُوّر......!''

''ارر......تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ وہ ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔''

''تم کتے ہو۔'' رشیدہ بپھر گئی۔ ''کیا اس کی دولت اس حکومت کا عشر عشیر بھی ہے جو میرے ہاتھ آرہی تھی۔''

انور نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس کی نظریں مورگن کا تعاقب کررہی تھیں جو اوپری منزل سے نیچے آکر صدر دروازے کی طرف جارہا تھا۔

''اس آدمی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔'' اس نے رشیدہ سے پوچھا۔

رشیدہ بدستور جھلائی بیٹھی رہی۔ انور نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ حمید بھی اس کے چکر میں تھا۔ نہ جانے کیوں یہ پچھلے تین دنوں سے تاریک شیشوں کی عینک لگانے لگا ہے۔ پہلے نہیں لگاتا تھا۔''

''تو میں کیا کروں......؟'' رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

''اس کے حرکات و سکنات مشتبہ ہیں۔'' انور نے اس کی جھلاہٹ پہ دھیان نہ دے کر کہا۔ ''یہ روز شام کو ایک سوٹ کیس لے کر باہر جاتا ہے اور شاید رات بھر واپس نہیں آتا۔''

''تو کیا یہی ...... وہ مسٹر براؤن ہے۔'' رشیدہ نے پوچھا۔

پراسرار خبطی آدمی جسے اس کے ساتھی، بادشاہ کہتے تھے، دریچے کے قریب کھڑا خواب گوں آنکھوں سے افق میں گھور رہا تھا۔ اس کے جسم پر بڑے بڑے پھولوں والا ریشمی لبادہ تھا اور پیروں میں مخمل کے کامدار جوتے تھے۔

دفعتاً وہ کسی کی آہٹ پر دروازے کی طرف مڑا۔

دروازے میں فیلڈ کھڑا تھا۔ وہ نہایت ادب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہے۔'' دیوانے نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''یور میجسٹی ......اس حکم نامے پر دستخط کریں گے۔''

''نہیں بھاگ جاؤ......نکلو یہاں سے۔ ہم بہت مشغول ہیں۔''

''عالم پناہ...... یہ بہت ضروری ہے۔''

''اچھا تو جولی......کو یہاں بھیج دو۔''

فیلڈ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا لیکن وہ جھک کر بولا۔ ''اچھا جیسی جہاں پناہ کی مرضی۔'' اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

دیوانہ بدستور وہیں کھڑا رہا اور تاریکی پھیل گئی۔ ایک آدمی نے کمرے میں آ کر روشنی کی اور دیوانہ چونک کر مڑا......آدمی باہر جانے لگا۔

''ٹھہرو......!'' دیوانہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ وہ آدمی رک گیا۔

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ میرا نام کیا ہے۔'' دیوانے نے کہا۔

''شہنشاہ عالم......!'' وہ آدمی تعظیماً جھک کر بولا۔ ''آپ ساری دنیا کے بادشاہ ہیں۔ مختلف ملکوں میں آپ کے مختلف نام ہیں۔ ہم آپ کو عالم پناہ کہتے ہیں۔''

''لیکن میرا نام کیا ہے۔'' دیوانہ جھنجھلا کر بولا۔

''جس کا جو دل چاہتا ہے کہتا ہے۔''

''تم گدھے ہو۔'' دیوانے نے چیخ کر کہا۔ ''نکل جاؤ یہاں سے۔''

وہ آدمی ایک بار پھر تعظیماً جھکا اور کمرے سے نکل گیا۔

دیوانہ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ رک کر ہاتھ سے اپنی پیشانی رگڑنے لگتا اور پھر اچانک وہ چیخ کر ایک صوفے پر گر گیا۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں اس وحشی پر جمی ہوئی تھیں جو گھٹنوں کے بل چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ صوفے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ اس کی بڑی بڑی اور خوفناک آنکھیں دیوانے کو گھور رہی تھیں۔ اچانک وہ تیزی سے پلٹا اور اتنی ہی پھرتی سے صوفے پر دولتی جھاڑ دی۔ صوفہ الٹ گیا۔ دیوانہ دوسری طرف گرا لیکن اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔ وحشی نے اچھل کر اُسے دبوچ لیا...... دوسرے لمحے میں وہ اپنے خونخوار دانتوں سے دیوانے کا لبادہ پھاڑ رہا تھا اور دیوانہ اس طرح سہا ہوا ہانپ رہا تھا جیسے وہ کوئی ننھی منی سی چڑیا ہو اور ایک بڑا سا شکرا اسے نوچ رہا ہو۔ وحشی نے اس کے بازو بھنبھوڑ ڈالے تب بھی دیوانے کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ اس نے اس کے بازو اس طرح چبائے کہ خون بہنے لگا۔ لبادہ پہلے ہی تار تار ہو رہا تھا۔ وحشی ایک ہلکی سی ہنہناہٹ کے ساتھ پیچھے ہٹا اور اپنی براؤن رنگ کی میلی پتلون کے جیب سے کاغذات کا ایک پلندہ اور فاؤنٹین پن نکالے۔ پھر اس نے زخمی دیوانے کو گود میں اٹھا کر لکھنے کی میز پر بٹھا دیا۔

اور پھر دیوانے کے ہاتھ میں دبا ہوا فاؤنٹین پن تیزی سے کاغذات پر چلنے لگا۔

وحشی ایک ایک کاغذ الگ کرتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سارے کاغذات سمیٹ کر اپنی جیب میں ٹھونسے اور فرانسیسی دریچے سے باہر چھلانگ لگا کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

دیوانہ کرسی پر بیٹھا جھومتا رہا۔ پھر دھڑام سے نیچے چلا آیا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔

اُس کے گرتے ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور فیلڈ اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ایک آدمی اور تھا۔

''ڈاکٹر......اسٹیڈی میں بیٹھا ہے۔'' فیلڈ نے مڑ کر دوسرے آدمی سے کہا۔

''اسے بلا لاؤ......!''

دوسرا آدمی چلا گیا...... فیلڈ نے دیوانے کو فرش سے اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر ہاتھ میں بیگ لٹکائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

''اوہ ڈاکٹر......دیکھئے......دیکھئے......'' فیلڈ غمناک لہجے میں بولا۔ ''چچا آرتھر کو آج پھر موقع مل گیا اور انہوں نے اپنی یہ گت بنا ڈالی۔''

ڈاکٹر نے بیگ کو میز پر رکھتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ ''دیکھئے میں عرصے سے کہہ رہا ہوں کہ یا تو انہیں پاگل خانے داخل کرا دیجئے یا پھر انہیں تنہا نہ چھوڑا جائے۔''

''میں کیا بتاؤں۔'' فیلڈ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ''کبھی کبھی غفلت ہو ہی جاتی ہے۔''

''دیکھئے......!'' ڈاکٹر نے کہا جو دیوانے کے زخمی بازوؤں پر سے لبادے کی دھجیاں ہٹا چکا تھا۔ ''یہ زخم کبھی نہ کبھی زہر باد میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ یا تو انہیں آپ ہر وقت نگرانی میں رکھئے یا پھر کوئی اور معالج ڈھونڈ لیجئے۔ مجھے ان پر ترس آتا ہے۔''

''اب کیا بتاؤں......سب کم بخت نوکروں کی غفلت سے ہوتا ہے۔''

''تو پھر انہیں پاگل خانے ہی میں داخل کرا دیجئے۔''

''نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا...... پاگل خانہ۔ میرے خدا۔'' فیلڈ نے کسی خوفزدہ بچے کی طرح کہا۔

''تو پھر ان کی حفاظت کیجئے۔'' ڈاکٹر نے بیگ سے سرنج نکال کر سوئی اس میں فٹ کرتے ہوئے کہا۔ اتنے میں جولی کمرے میں داخل ہوئی اس نے دیوانے کی طرف دیکھا اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔

"چچا آرتھر......!"

اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔ فیلڈ جلدی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

ڈاکٹر انجکشن دے چکنے کے بعد بولا۔ "مسٹر فیلڈ! ایسے دیوانے جو دوسروں کے لئے بے ضرر اور اپنی ہی بوٹیاں نوچنے والے ہوں کسی وقت بھی مر سکتے ہیں۔"

جولی نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

ارجن گھاٹی پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ آسمان میں سیاہ بادل رینگ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں بارش شروع ہو جائے گی۔"

گھاٹی سنسان نہیں تھی۔ وہاں کئی دن سے ملٹری کا ایک دستہ متعین تھا اور اس وقت فوجیوں کے خیموں میں کہیں کہیں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ نیچے گھاٹی ہی میں تھا اور اوپر چٹانیں بدستور ویران پڑی تھیں۔ اچانک ایک تاریک سائے نے نیچے گھاٹی میں جھانکا اور آہستہ سے دوسری طرف رینگ گیا۔

یہ فریدی تھا اور اسے اس راستے کی تلاش تھی جس کے ذریعے وہ وحشی آدمی کا تعاقب کرنے والوں کو اپنے ساتھ لے جایا کرتا تھا۔

کئی راتوں سے وہ ان چٹانوں میں بھٹک رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ایک بار اس نے کچھ مبہم سے نشانات کے ذریعے بھی آگے بڑھنا چاہا تھا لیکن جہاں چٹانوں پر گرد کی تہہ نہیں تھی وہاں سے پھر راستہ مسدود ہو گیا تھا۔

اس دوران میں اس نے میجر نصرت سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ محسوس کی تھی۔ حمید والے واقعے کے بعد سے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اس ہنگامے کے پس منظر میں جیرالڈ ہی کی شخصیت ہے اور یہ تو حقیقت ہے کہ جیرالڈ کے انجام کے متعلق اس کی رائے شروع

ہی سے دوسروں سے مختلف تھی۔ وہ اس بات پر کسی طرح یقین ہی نہیں کرسکتا تھا کہ جیرالڈ جیسی شخصیت خودکشی کی مرتکب ہوگی۔

اس کی دانست میں صمدانی کا قتل محض ایک ضمنی قسم کا جرم تھا جو حصول دولت کے لئے کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جیرالڈ کے پاس اس کی ذاتی دولت تو تھی نہیں جس کے بل بوتے پر وہ ساری دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کے آدمیوں کو معمولی چوروں اور ڈاکوؤں کی سی حرکتیں کرنی پڑتی ہوں گی۔ فریدی کے ذہن میں کئی بڑی بڑی ڈکیتیوں کے کیس بھی تھے جن کا ابھی تک کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔ یہ ساری ڈکیتیاں بڑے بڑے بینکوں میں ہوئی تھیں اور اتنے پراسرار طریقے پر ملک کے مختلف حصوں میں عمل میں لائی گئیں تھیں کہ ابھی تک سراغ رساں واردات کرنے والوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے تھے لیکن طریقہ کار کی یکسانیت کی بناء پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ کسی ایک ہی گروہ کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔

جیرالڈ شاستری کی پہلی زمین دوز دنیا کی تباہی کے بعد سے اب تک کئی بار فریدی پر حملے بھی ہو چکے تھے اور وہ ہر بار صاف بچ گیا تھا۔ لیکن موجودہ واقعات کے رونما ہونے سے قبل اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ جیرالڈ ہی کی طرف سے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے پیشے کی بناء پر شہر کے سارے ہی جرائم پیشہ آدمیوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ اس لئے اس کا دھیان کسی ایک طرف نہیں جاسکا تھا اور اب جیرالڈ ہی اس کا شکار تھا۔ اس نے اپنے شب و روز اس کے لئے وقف کردیئے تھے۔ لیکن ابھی تک اس سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ کئی بار اس مکان کی نگرانی بھی کر چکا تھا جس میں حمید نے اپنے چند گھنٹے ایک قیدی کی حیثیت سے گزارے تھے اور کئی بار اس دیوانے آدمی کو دیکھ چکا تھا اس کی غرض و غایت کیا تھی یہ اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بھی جیرالڈ شاستری کو سنسکرت کے ایک بڑے عالم کے روپ میں دیکھ چکا تھا مگر یہ حیثیت۔ وہ اس دیوانے کو جیرالڈ سمجھ لینے پر قطعی تیار نہیں تھا اور اگر وہ جیرالڈ ہی تھا تو اس بھیس کا مقصد سچ مچ کی دیوانگی کے علاوہ اور کیا ہوسکتا تھا۔

لیکن اسے جیرالڈ جیسے آدمی سے اس کی توقع نہیں تھی اور پھر اس کی آنکھیں اس دیوانے سے بالکل ہی مختلف تھیں۔ فریدی چٹانوں میں رینگتا رہا۔ اس کی نظریں بار بار آسمان کی طرف بھی اٹھ جاتی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ شاید بارش کی وجہ سے اُسے یہ رات بیکاری ہی میں گزارنی پڑے گی۔

وہ واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کا ہاتھ کسی چھوٹی سی گول چیز پر پڑا اور وہ پھسلتی ہوئی سی معلوم ہوئی۔ اس نے اُسے گرفت میں لے لیا۔ جیب سے ننھی سی ٹارچ نکالی جس کی لمبائی درمیانی انگلی سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ ایک خوبصورت سی کلائی کی گھڑی تھی جس کی ٹوٹی ہوئی چین اس کے دونوں گوشوں سے جھول رہی تھی۔ فریدی اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر وہ بے اختیار چونک پڑا۔ گھڑی کی پشت پر قاسم کا پورا نام کندہ تھا۔ فریدی نے اُسے پہچان لیا۔ وہ حقیقتاً قاسم ہی کی گھڑی تھی۔ پھر اُسے قریب ہی ریشمی کپڑے کی ایک بڑی سی دھجی بھی ملی جس پر پھول بنے ہوئے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک قرب و جوار کی چٹانوں کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اس جگہ جہاں گھڑی ملی تھی ایک نشان بنایا اور واپسی کے لئے رینگنے لگا۔

بوندا باندی شروع ہوگئی تھی۔

چٹانوں میں

قاسم کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس کے کام کی رفتار میں سستی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ صبح سے اب تک اس نے درجنوں بہت بڑے بڑے پتھر ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پہنچائے تھے حالات کچھ ایسے تھے کہ یہ مفت کی محنت گراں بھی نہیں گزر رہی تھی۔ بات صرف یہ تھی کہ پاس ہی کھڑی چند خوبصورت لڑکیاں اس کا دل بڑھا رہی تھیں۔ شاید جیرالڈ اس کی اس کمزوری سے واقف ہوگیا تھا کہ اسے بیوقوف ہی بنا کر کام

نکالا جاسکتا تھا۔ دوسرے لوگ بھی کام میں مصروف تھے اور وہ انسان نما گھوڑا ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ آج بھی اس نے دو تین آدمیوں کی لاتوں سے مرمت کی تھی مگر قاسم کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ تگڑی تگڑی لڑکیوں کے خیال میں مگن تھا اور جیرالڈ کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اچانک اس نے گھوڑے کو مخاطب کر کے کہا۔

''اَبے اُو......وہ میری گھڑی کہاں ہے۔''

''کیسا گھری......!''

''کیا......!'' قاسم جھلا کر بولا۔ ''تو نے کل شام کو مجھ سے لی نہیں تھی۔''

''ہم نہیں جانتا گھری وری......سالا تم اپنا کام کرو۔''

''ابے تم خود سالا۔'' قاسم غصیلی آواز میں بولا۔ ''میرے سالے کا سالا......تمیز سے بات کیا کرو۔''

اس کے جواب میں وہ قاسم کو چونچ دکھا کر ہنسنے لگا۔

قاسم کا پارہ چڑھ گیا اور وہ ایک لڑکی سے بولا۔

''دیکھا......اسے شرم نہیں آتی......گھوڑا ہو کر چونچ دکھاتا ہے۔''

لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

''تمہیں میری گھڑی واپس کرنی ہوگی۔'' وہ اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

''ارے تم اپنا کام کرو۔'' ایک لڑکی نے کہا۔ ''اس جنگلی سے مت الجھو۔''

''تو گھڑی اسے ہضم کر جانے دوں۔'' قاسم نے جھلا کر کہا۔ ''جانتی ہو کتنی قیمتی گھڑی ہے۔ آل پلاٹینم اور ڈائیل پر ہندسوں کی جگہ جواہرات ہیں۔''

''اوہ......مگر تم نے اسے دی ہی کیوں تھی۔'' لڑکی بولی۔

''اس نے کہا میں ابھی واپس کر دوں گا۔''

''تب تو مل چکی۔'' لڑکی ہنس پڑی۔ ''وہ کہیں پھینک آیا ہوگا۔''

''میں اس کے باپ سے بھی وصول کرلوں گا۔'' قاسم گردن جھٹک کر بولا۔ پھر وحشی سے

کہا۔ ''لا بے دیتا ہے یا میں شاستری صاحب سے کہوں۔''

وحشی گھٹنوں کے بل دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور خوشامدانہ انداز میں اس کے پیر دبانے لگا۔ ''نا ئیں...... سالا ٹم اس سے نا ئیں بولے گا۔'' اس نے کہا۔

''ہا ئیں پھر وہی سالا۔ ابے شامت آئی ہے کیا۔''

''سانوٹے! بھاگو یہاں سے۔'' ایک لڑکی نے اُسے للکارا۔

اور وہ چپ چاپ واپس چلا گیا۔

گھڑی بہت قیمتی تھی۔ قاسم سوچ رہا تھا کہ وہ آج رات کو وحشی کی غار کی تلاشی ضرور لے گا۔ وہ شاستری سے بھی شکایت کرسکتا تھا مگر سوال تھا ملاقات کا۔ وہ اس سے صرف ایک ہی بار ملا تھا اور یہاں کوئی اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتا تھا۔ وہ لوگ شاستری سے متعلق کسی سوال کا جواب ہی نہیں دیتے تھے۔

حمید کو قاسم کی گمشدگی پر بڑی حیرت تھی۔ اس نے اسے اینگلو انڈین لڑکی کا تعاقب کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر قاسم سامان چھوڑ کر کیوں کہیں غائب ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں انور نے اسے ٹھکانے تو نہیں لگا دیا۔ مگر یہ خیال بھی احمقانہ تھا۔ انور اس کی جرأت کر ہی نہیں سکتا تھا اور پھر وہ رشیدہ کے معاملے میں بھی اتنا زیادہ سنجیدہ نہیں رہا تھا کہ اس کے کسی عاشق کو اپنا رقیب سمجھ بیٹھتا۔

فریدی نے اب تک اس سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ کئی بار اس کا دل چاہا کہ مورگن کا تعاقب کرے جو اب شیزان ہی میں مقیم تھا۔ مورگن عموماً رات کو باہر ہی رہتا تھا اور اب وہ تاریک شیشوں کی عینک بھی استعمال کرنے لگا تھا۔ اس نئے اضافے کی بناء پر حمید فریدی سے رابطہ قائم کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر فریدی کی اسکیم کیا ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ طریقہ کار کیا ہے؟

حمید کی دانست میں تو یہی مناسب تھا کہ وہ فیلڈ کو پکڑ کر اس سے جیرالڈ کا پتہ پوچھتا۔ فیلڈ کو اپنا قیدی بناتا۔ پولیس کو ہوا ہی نہ لگنے دیتا۔ اس سے پہلے بھی تو وہ کئی بار یہ طریقہ اختیار کر چکا تھا۔

ادھر اس دوران میں ایک دوسری بات کا انکشاف ہوا تھا جو شیزان ہوٹل میں مسٹر براؤن کے نام آنے والی تاروں کے متعلق تھی۔ میجر نصرت نے اپنی تحقیقات برابر جاری رکھی تھیں اور اس کی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ شیزان ہوٹل کے منیجر کا بیان تھا کہ مسٹر براؤن کے نام کے تار بار بار آتے رہے تھے لیکن وہ انہیں واپس کر دیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب وہاں کوئی مسٹر براؤن تھا ہی نہیں تو انہیں وصول کون کرتا تھا۔ میجر نصرت نے تار گھر سے رجوع کیا وہ واپس کئے ہوئے تاروں کے فارم نکلوانا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں سے جو جواب ملا وہ حیرت انگیز تھا۔ پوسٹ ماسٹر نے بتایا کہ مسٹر براؤن کا کوئی تار کبھی واپس ہی نہیں آیا۔ سب وصول کئے گئے ہیں۔ اس بار تار بانٹنے والوں کی پیوّن بکیں نکلوائی گئیں۔ ان پر براؤن کے دستخط موجود تھے۔ لیکن ایک کا بھی طرز تحریر دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ مختلف آدمیوں نے مختلف اوقات میں براؤن کے دستخط کئے ہیں..... اور دو ایک دستخط تو ایسے تھے جیسے کسی آدمی نے انگریزی کے حروف کی نقل کر دی ہو۔ جو انگریزی سے قطعی نابلد ہو۔ یہ چیز حیرت انگیز تھی۔ اس کے لئے تار بانٹنے والوں سے باز پرس کی گئی اور ان سب نے یہی بتایا کہ وہ تار شیزان ہوٹل ہی میں وصول کئے گئے تھے۔ میجر نصرت کی الجھن کیلئے اتنا ہی کافی تھا۔ ہوٹل کے منیجر کا بیان کہ تار واپس کئے گئے اور محکمہ تار اس بات پر مصر کہ تار واپس ہی نہیں آئے اور انہیں شیزان ہی میں وصول کیا گیا۔ لیکن اس کا کسی کے پاس بھی جواب نہیں تھا کہ دستخطوں میں اختلاف کیوں ہے۔

بہر حال اخبار میں یہ سب کچھ دیکھ کر حمید بھی الجھن میں پڑ گیا تھا اور اس بات سے وہ واقف تھا کہ شیزان کے منیجر نے اپنی گردن بچالی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے تو سارے تار واپس کر دیئے تھے۔ اب اگر اس کے باوجود بھی تار بانٹنے والے کسی غلط آدمی کو تار دیئے جائیں تو اس میں اس کا کیا قصور؟ بات تھی بھی قاعدے کی خواہ سچ رہی ہو خواہ جھوٹ۔

حمید بڑی دیر سے ڈائننگ ہال میں بیٹھا انور اور رشیدہ کو کسی بحث میں مشغول دیکھ رہا تھا اور اسے اس بات پر صحیح معنوں میں خوشی تھی کہ جتنا وہ جانتا ہے اس کا عشر عشیر بھی انور کو نہیں معلوم۔

رات کے آٹھ بج چکے تھے اور حمید کھانے سے فارغ ہو کر اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک ویٹر نے اسے فون کال کی اطلاع دی۔ حمید کی موجودہ حیثیت میں یہ پہلی فون کال تھی اور اس کی اس حیثیت کا علم فریدی کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ اس لئے یہی نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ وہ کال فریدی ہی کی تھی۔

وہ حقیقتاً فریدی ہی کی فون کال تھی اور فریدی نے اسے دس بجے رات کو رانی باغ کی اترائی کے قریب بلایا تھا۔

حمید کو یاد آیا کہ فریدی کا اقامتی غار رانی باغ کی اترائی سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ حمید نو بجے روانہ ہو کر ٹھیک دس بجے رانی باغ کی اترائی کے قریب پہنچ گیا۔

آج بھی مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔ حمید کو انتظار نہیں کرنا پڑا۔ فریدی اسے اپنی اقامتی غار میں لے گیا۔ حمید کو اس بات پر حیرت تھی کہ فریدی اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی کسی دن شیو کرنا نہیں بھولتا اور اس کے کپڑے بھی گندے نہیں تھے۔

فریدی نے وہ گھڑی حمید کو دکھائی جو پچھلی رات ارجن گھاٹی کی ایک چٹان پر پڑی ملی تھی۔

''اوہ...... یہ تو سو فیصد قاسم ہی کی ہے۔'' حمید بولا۔ ''تو اس کا یہ مطلب کہ قاسم جیرالڈ ہی کے پھندے میں پھنس گیا ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر کہا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر جیرالڈ کو قاسم سے اتنی دلچسپی۔ پچھلی بار بھی اس نے اسے اغوا کیا تھا۔''

''قاسم کام کا آدمی ہے۔ خصوصاً ایسے موقع پر۔'' فریدی چند لمحے رک کر بولا۔ ''جیرالڈ اپنے لئے نئی زمین دوز دنیا تعمیر کر رہا ہے کیا قاسم ایک اچھا مزدور نہ ثابت ہوگا۔ وہ غیر معمولی طور پر طاقتور ہے۔''

''تو اب قاسم کے غائب ہونے کا مسئلہ بھی صاف ہوگیا۔'' حمید نے کہا۔

''قطعی ......لیکن یہ۔'' فریدی رنگین کپڑے کی دھجی حمید کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ''یہ بھی اس گھڑی کے قریب ملی تھی۔''

''اس کا کیا مطلب......!'' حمید چونک پڑا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''ظاہر ہے اس کپڑے کا لباس کسی عورت ہی کا ہو سکتا ہے۔''

''نہیں ......اس کپڑے کے پردے بھی بنائے جا سکتے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔''

''میں کل رات اُس چٹان پر نشان بنا آیا تھا ہو سکتا ہے کہ راستہ وہیں کہیں قریب ہی ہو۔ کل رات بارش کی وجہ سے مجھے وہاں سے چلا آنا پڑا تھا۔ آج ہم اسے دیکھیں گے۔''

''آپ کے لئے ایک دوسری اطلاع بھی ہے۔'' حمید نے کہا اور براؤن کے تار کا واقعہ دہرا دیا۔

''میری لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہو چکی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''فرزند! یہ بات اسی وقت کی ہے جب میں یہاں آیا تھا۔ میں نے اس تار کے متعلق چھان بین کی تھی اور مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ شیزان میں براؤن کے نام پر پہلا تار نہیں تھا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تاروں کا کیا حشر ہوا تھا۔ غالباً یہ بات اخبار میں نہیں آئی ......کیوں؟''

''تار بانٹنے والوں کا بیان ہے کہ وہ وصول کئے گئے۔ حالانکہ وصول کرنے والے کے دستخط مختلف کاپیوں پر مختلف ہیں۔ لیکن انہیں وصول ضرور کیا گیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ سارے ہی تار بانٹنے والے براؤن کے آدمی ہو سکتے ہیں۔''

''ان میں سے ایک بھی براؤن کا آدمی نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''پھر آخر تار کا کیا حشر ہوا۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''بتاتا ہوں۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''فرض کرو کہ تم ایک تار بانٹنے والے ہو۔ تمہارے پاس کئی تار ہیں ان میں سے ایک ایسا بھی ہے جسے کسی نے لیا نہیں۔ بہر حال تم اسے واپس لئے جا رہے ہو۔ تمہیں اس تار کو دفتر میں واپس کرنا ہے۔ جب تم دفتر پہنچے اور تم نے اپنے

کاغذات جمع کرانے کے لئے نکالے تو وہ تار غائب تھا جسے تم نے واپس کرنا تھا اب بتاؤ تم ایسی صورت میں کیا کرو گے۔ اپنی جان بچانے کے لئے یہی کرو گے نا کہ وصول یابی کے اس خانے میں اس آدمی کے دستخط کر دو جسے وہ تار پہنچنا چاہئے تھا۔ اب اگر پوچھ گچھ ہو تو تم یہ کہہ کر کسی حد تک پیچھا چھڑا سکتے ہو کہ وصول کنندہ کی پیشانی پر اس کا نام تو تحریر تھا نہیں۔ اس نے کہا وہ براؤن ہے اور تم نے اُسے تار دے دیا۔''

''تو کیا وہ سارے دستخط تار بانٹنے والوں کے ہیں۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''سو فیصدی یہی بات ہے۔ میں نے ان سب سے اقبال کرا لیا ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ ان غریبوں کی مٹی پلید ہو۔ آخر ان کا کیا قصور۔ لیکن تاروں کو ان کی جیبوں سے غائب کرنے والا کوئی ایسا ہی آدمی ہو سکتا ہے جو شیزان میں ہر وقت موجود رہتا ہو۔''

''کمال ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''لیکن تار بانٹنے والوں نے یہ بات میجر نصرت کو نہیں بتائی۔''

''میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ سمجھا دیا تھا کہ وہ اپنے اسی بیان پر اڑے رہیں کہ انہوں نے تار تقسیم کئے تھے۔''

''آخر اس میں کیا مصلحت تھی۔''

''محض ان غریبوں کی ملازمت بچانے کے لئے۔ وہ یہ بات مجھے بھی نہ بتاتے لیکن طریقہ کار نے اگلوا ہی لیا۔''

''آخر وہ کون آدمی ہو سکتا ہے جس نے تار اڑائے۔'' حمید خود سے بولا۔ ''کیا مورگن'' پھر اس نے چونک کر کہا۔ ''خوب یاد آیا...... مورگن اب تاریک شیشوں کی عینک بھی لگانے لگا ہے۔''

''خوب......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اچھا اب ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔ ہمیں بالکل سیاہ لباس میں چلنا ہوگا۔ تمہارے کپڑے وہ ادھر رکھے ہوئے ہیں۔''

''وہ جلد ہی تیار ہو گئے۔''

''بادل تو آج بھی ہیں۔'' فریدی بولا۔ ''لیکن بارش کے امکانات نہیں۔''

''اگر ہوں بھی تو آپ کا کیا بگڑتا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''نہیں بارش کی صورت میں وہ جگہ مخدوش ہو جاتی ہے۔''

پھر وہ خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔ حمید قدم قدم پر لڑکھڑا رہا تھا۔ اوپر نیچے پتھر...... گڑھے...... دراڑیں...... اور کانٹے دار جھاڑیاں۔

''اس پاگل شہنشاہ کے متعلق بھی کچھ معلوم کیا آپ نے۔'' حمید نے پوچھا۔

''کل رات کی اطلاع ہے کہ اس نے خود کو لہولہان کر لیا تھا۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔''

''سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہے کیا بلا......؟''

''اتنا میں جانتا ہوں کہ وہ محض مذاق نہیں ہے۔ اُس کے پس منظر میں کوئی اہم بات ہے۔''

''اگر آپ چاہتے تو فیلڈ کو پکڑ کر اپنے طور پر بہت کچھ اگلوا سکتے تھے۔'' حمید نے کہا۔

''ناممکن...... کیا تمہیں عرفانی صاحب [ل] والی ڈائری کی تحریر یاد نہیں۔ جیراللہ کے گروہ والے اپنا راز بتانے پر مر جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

''کیا آپ انور کو شریک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔''

''نہیں...... میں اُسے ایک ہلکا سا سبق دینا چاہتا ہوں۔ وہ اپنی کارگزاریوں پر کچھ مغرور ہو گیا ہے۔''

''مغرور تو آپ بھی ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''لیکن مجھے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں۔ جہاں میں بے بس ہوتا ہوں وہاں بے بسی کا اعتراف بھی کر لیتا ہوں۔''

وہ ارجن گھاٹی کے قریب پہنچ گئے...... اب فریدی حمید کو جس راستے پر لے جا رہا تھا وہ حد درجہ دشوار گزار تھا اور ذرا ہی دیر میں حمید کی سانس پھولنے لگی تھی۔ یہاں وہ کھڑے ہو کر چلنے کے بجائے سینے کے بل رینگ رہے تھے۔

''غالباً یہی وہ جگہ تھی۔'' فریدی نے چھوٹی سی ٹارچ نکال کر اُسے روشن کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ رہا...... دیکھو یہ نشان......!'' اس نے پھر ٹارچ بجھا دی۔ وہ ٹھہر گیا تھا۔ حمید نے سوچا

[ل] اس کے لئے ''جنگل کی آگ'' جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

چلو غنیمت ہے۔ اس طرح سانس بھی اعتدال پر آ جائے گا۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ فریدی پھر رینگنے لگا تھا۔ طوعاً و کرہاً وہ بھی بڑھا۔ فریدی نے اُبھری ہوئی چٹان کے گرد ایک چکر لگایا۔ باریک سی شعاع والی ٹارچ روشن تھی اور وہ اس کی روشنی چٹان کی جڑ میں ڈال رہا تھا۔ دفعتاً حمید کو ایک جگہ ایک دراڑ سی نظر آئی۔ اتنی لمبی اور چوڑی کہ ایک آدمی لیٹ کر بآسانی اس میں سما سکتا تھا۔ فریدی نے دراڑ میں ٹارچ ڈال کر دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر پیچھے کھینچ لیا۔

''اندر سے کافی کشادہ غار ہے۔'' اس نے سرگوشی کی۔

وہ گھاٹی کی سطح سے صرف دس یا بارہ فٹ کی اونچائی پر تھے اور ان سے فوج کا پڑاؤ بھی کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ غار

قاسم دن بھر کی محنت کے بعد کافی دل برداشتہ ہو رہا تھا اور یہ بات کچھ کچھ اس کی سمجھ میں بھی آنے لگی تھی کہ اسے بے وقوف بنایا جا رہا ہے اور آج تو اس سے بالکل ہی معمولی قیدیوں کا سا برتاؤ کیا گیا تھا۔ گھڑی کے معاملے میں وہ سانوٹے سے الجھ پڑا تھا اور نوبت پھر کشتی کی ہی آ گئی تھی کہ تین چار انگریز اس پر ٹوٹ پڑے۔ کسی طرح وہ ایک پتھر سے اٹک کر گر گیا اور انہوں نے اس کی خاصی مرمت کر دی۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے ریوالور نکال لیا اور قاسم کو انتہائی غصے کے باوجود بھی کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

رہ گیا جیرالڈ کا معاملہ تو وہ پہلی ملاقات کے بعد سے پھر ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اگر کبھی قاسم سہواً بھی اس کا نام لے لیتا تو چاروں طرف سے اس پر یورش ہو جاتی تھی ساتھ والی لڑکیاں تک اُسے ڈانٹنے لگتی تھیں۔

قاسم پیال کے بستر پر پڑا غصے میں بل کھاتا رہا۔ اُسے پھر اپنی گھڑی کی یاد ستانے لگی۔

اس نے سوچا کہ اس وقت سانوٹے اپنے غار میں تنہا ہی ہوگا۔ تین چار گھنٹوں کے لئے کام رک گیا تھا اور اس زمین دوز دنیا کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ بجلی پیدا کرنے والے جنریٹر کو وہاں کے لوگوں نے ایک ایسے غار میں فٹ کیا تھا جہاں سے اس کا شور پھیلنے نہیں پاتا تھا۔ یا پھر وہ جنریٹر ہی کسی خاص قسم کا رہا ہوگا...... بے آواز۔''

قاسم اٹھ بیٹھا۔ غصے سے اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے غار سے نکل کر اس زیر تعمیر غار میں آیا جہاں دن بھر کام کرتا رہا تھا۔ یہاں ایک بھی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا اور صرف ایک بلب روشن تھا وہ بھی زیادہ سے زیادہ ساٹھ پاور کا رہا ہوگا۔ اتنے بڑے غار کے لئے اس کی روشنی ناکافی تھی۔

قاسم کو سانوٹے کا ٹھکانہ معلوم تھا۔ وہ سانوٹے کے غار مین داخل ہوا۔ لیکن سانوٹے موجود نہیں تھا۔ کچھ دیر قبل شاید وہ یہیں رہا ہوگا۔ کیونکہ کھانے کے برتن جھوٹے پڑے ہوئے تھے۔ قاسم نے سوچا موقع اچھا ہے کیوں نہ اس کے سامان کی تلاشی لی جائے۔ شاید اس نے گھڑی یہیں کہیں چھپا رکھی ہو۔ قاسم کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سانوٹے تھا تو وحشی لیکن اس کے استعمال کی ساری چیزیں اعلیٰ قسم کی اور پر تکلف تھیں۔ وہ نہایت نفیس قسم کا تمباکو پیتا تھا۔ اس کا بستر بھی پر تکلف تھا۔ سامان میں قاسم کو عمدہ قسم کے سینٹ کی شیشیاں بھی ملیں۔ ایک البم دکھائی دیا جس میں زیادہ تر ننگی تصویریں تھیں۔ کچھ خطوط بھی ملے جو لڑکیوں کی طرف سے لکھے گئے تھے اور یورپ کے مختلف حصوں سے آئے تھے۔

اسے سب کچھ ملا لیکن وہ گھڑی نہ ملی جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ ساری چیزیں جوں کی توں رکھ کر مڑا ہی تھا کہ اُسے غار میں ایک دوسرے غار کا دہانہ نظر آیا۔ قاسم نے وہاں جھانک کر دیکھا لیکن تاریکی کی وجہ سے کچھ سجھائی نہیں دیا۔ اُس نے پلٹ کر سانوٹے کی ٹارچوں میں سے ایک اٹھائی اور غار میں اتر گیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ایک مشین گن پر پڑی جس میں میگزین چڑھا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کسی حملے کے لئے پہلے ہی سے تیار کیا گیا ہو۔ قاسم اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد یہ بات اس کی سمجھ میں

آ گئی کہ وہ غار نہیں بلکہ ایک سرنگ ہے اور اس کی دیواروں کو باقاعدگی کے ساتھ تراشا گیا ہے۔ سرنگ کافی کشادہ اور اونچی تھی۔ اتنی اونچی کہ قاسم انتہائی طویل قامت ہونے کے باوجود بھی اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کے اوپری حصے کو نہیں چھو سکتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ باہر نکلنے کا راستہ تو نہیں ہے۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا۔ قاسم پلٹ کر اس سے لپٹ پڑا۔ ٹارچ اس کے ہاتھ سے گر کر بجھ چکی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے محسوس کر لیا کہ وہ حملہ آور کون ہے۔ اس کا ہاتھ حملہ آور کی پیٹھ پر پڑ گیا تھا جس پر لمبے لمبے بالوں کی ایک پتلی سی لکیر تھی اور اس کا جسم لوہے کی طرح سخت تھا۔

فریدی نے پھر دراڑ میں ہاتھ ڈال کر ٹارچ روشن کی۔ حمید بھی رینگتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے بھی دراڑ میں جھانکا......وہ واقعی ایک بڑا سا غار تھا۔

''کیا خیال ہے۔'' حمید نے سرگوشی کی۔

''ہو تو سکتا ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''بڑی مناسب جگہ ہے۔ سامنے والی بڑی چٹان اس دراڑ میں گھاٹی کے درمیان دیوار کی طرح حائل ہے اگر ہم یہاں کھڑے بھی ہو جائیں تو اس طرف کے فوجی ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ اور پھر یہ دیکھو......!''

فریدی ایک گڑھے میں رینگ گیا جس میں کانٹے دار جھاڑیوں کی بہت سی کٹی ہوئی شاخیں پڑی تھیں۔

''آخر یہاں ان کٹی ہوئی جھاڑیوں کا کیا کام۔ انہیں یہاں کسی نے اور کس مصلحت سے کاٹ کر ڈالا ہے...... مائی ڈیئر سوچو......!'' فریدی کی آواز جوش میں کپکپانے لگی۔

''کیوں......ان جھاڑیوں میں کون سی خاص بات ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ......اگر انہیں اس دراڑ کے دہانے میں پھنسا دیا جائے تو کوئی اس دراڑ کی طرف دھیان ہی نہیں دے گا۔ بلکہ شاید کوئی یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ان جھاڑیوں کے پیچھے کوئی دراڑ بھی

ہوسکتی ہے۔ اب ان جھاڑیوں کی نوعیت پر غور کرو۔ خشک ہو جانے کے بعد بھی ان کی رنگت جوں کی توں برقرار رہتی ہے۔ لہٰذا یہ کاٹی ہوئی بھی نہ معلوم ہوں گی۔ پھر اس کے علاوہ ان کا دوسرا مقصد ہو ہی کیا سکتا ہے۔ آخر یہ یہاں کیوں ڈالی گئی ہیں۔''

''آپ تو ذرا ذرا سی باتوں پر......!''

''اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔'' فریدی بولا۔

اور دوسرے لمحے میں وہ لیٹ کر اس غار میں اتر رہا تھا۔ پھر وہ حمید کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ حمید دل ہی دل میں تاؤ کھا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ سچ مچ جیرالڈ کی پناہ گاہ ہے تب بھی فریدی کو اس میں تنہا داخل ہونے کی حماقت نہ کرنی چاہئے تھی۔ وہ اپنی جیب میں ریوالور ٹٹولنے لگا۔ وہ اب بھی غار کے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

پھر اُسے اندر مدھم سی روشنی دکھائی دی جو غالباً فریدی کی ٹارچ کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ٹارچ کا رخ دراڑ کی طرف ہوگیا۔ فریدی اسے ہلا رہا تھا۔ یہ حمید کے لئے بھی اترنے کا اشارہ تھا۔

حمید کو نیچے پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔ غار کافی بڑا اور غیر مسطح تھا۔ اس غار میں کچھ چھوٹے چھوٹے غار اور بھی نظر آرہے تھے اور فریدی ان کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ حمید نے بھی اُسے اچھی طرح دیکھا بھالا...... ایک جگہ انہیں جوتا پڑا ملا جو پرانا نہیں تھا کئی جگہ سگریٹ کے جلے ہوئے ٹکڑے شراب کی بوتلوں کے کاگ بھی دکھائی دیئے۔

''دیکھو یہاں بھی ویسی ہی جھاڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔'' فریدی نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اور یہ سگریٹ کے ٹکڑے اور بوتلوں کے کاگ۔''

''یہ غار جیرالڈ کی پناہ گاہ نہیں ہوسکتا۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا یہ ممکن نہیں کہ یہاں رام گڑھ کے لوگ عیاشیوں کے لئے آتے ہوں۔''

''وہ عیاشی کس قسم کی ہوسکتی ہے فرزند۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ایک تنہا آدمی کی عیاشی سمجھ میں نہیں آتی۔''

''تو کیا وہ سب ایک ایک جوتا چھوڑ جانے کی اسکیم بنا کر آئے ہوں گے۔'' حمید ہنس پڑا۔

''تو اس کا مطلب یہ کہ وہ لوگ صرف ایک کے علاوہ پہلے ہی سے بھاگنے کیلئے تیار تھے اور پھر یہاں سے تو بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر تم باہر دراڑ کے سامنے جم جاؤ۔''

''او بابا.....تو پھر کیا ہے۔'' حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''اپنے مقدر میں تو بس ہمیشہ جوتے ہی آتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ انہیں آدمیوں میں سے کسی ایک کا ہوسکتا ہے جو اس وحشی کے پیچھے بھاگتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں بڑی بے دردی سے پکڑ کر اوپر والی دراڑ میں ٹھونس کر یہاں گرایا جاتا رہا ہوگا۔ اوپر پہلے ہی سے کچھ آدمی ان کے منتظر رہے ہوں گے۔ دراڑ کے سامنے کی چٹان، دراڑ والی چٹان پر اس طرح جھکی ہوئی ہے کہ وادی کے اوپر کھڑے ہوئے لوگ بھی دونوں کے درمیان فاصلہ کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسلئے وہاں بیس آدمی باآسانی چھپ سکتے ہیں۔''

''اب میں اپنا سر کسی پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش کردوں گا۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''کیوں؟''

''آخر وہ سب سالے ہیں کہاں؟'' حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''مجھے تو آگے جانے کا بھی کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔''

''معاملہ جیرالڈ سے الجھا ہے، بیٹے خاں.....کسی نتھو بدھو خیراتی سے نہیں۔''

فریدی پھر ٹارچ کی مدھم سی روشنی میں غار کا جائزہ لینے لگا۔

''ارے.....!'' وہ چونک کر بولا پھر کچھ سننے لگا۔

''کیا مصیبت ہے۔'' اس نے کہا۔ ''پھر بارش شروع ہوگئی۔ چلو نکلو جلدی۔''

وہ غار کے باہر آ گئے۔ بادل جم گئے تھے اور ہلکا سا ترشح شروع ہوگیا تھا۔ وہ وادی سے دور نکل جانے کی جدوجہد کرنے لگے۔

وحشی نے قاسم کے بازو پر منہ مارا اور قاسم کی چیخ نکل گئی۔ دوسرے لمحے میں اس کا گھونسہ وحشی کے چہرے پر پڑا اور وہ اندھیرے میں نہ جانے کدھر لڑھک گیا۔

''سالے......!'' قاسم نے ہانپتے ہوئے ایک گندی سی گالی دی۔

اچانک اندھیرا دور ہوگیا اور پوری سرنگ میں کئی بلب روشن ہو گئے تھے، اور سانوٹے ہاتھ میں ریوالور لئے کھڑا تھا۔ قاسم نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''تم سالا بھاگنا مانگتا۔'' اُس نے ریوالور کی نال سے قاسم کو چلنے کو کہا۔

''اچھا چلو......!'' قاسم گردن جھٹک کر بولا۔ ''مگر اتنا یاد رکھو کہ تمہاری جان میرے ہی ہاتھ سے جائے گی۔''

''چالو......!'' سانوٹے چنگھاڑ کر بولا۔ اس وقت وہ سیدھا کھڑا ہو کر چل رہا تھا۔

چلتے چلتے قاسم کے ذہن کی رو بہک گئی اسے وہ البم یاد آیا جو اس نے سانوٹے کے سامان میں دیکھا تھا۔

''سالے تم آوارہ ہو۔'' قاسم رکا اور پلٹ کر بولا۔ ''گندی گندی تصویریں رکھتے ہو شرم نہیں آتی۔''

''تم کیا جانے۔'' سانوٹے اُسے گھورنے لگا۔

''میں نے تمہارا البم دیکھا ہے۔''

''تم سالا چور......!''

''نہیں پیارے......!'' قاسم مسکرا کر بولا۔ ''وہ تو بڑی اچھی ہیں۔''

''تم دیکھا کیوں؟'' سانوٹے نے گرج کر کہا۔

''میں اپنی گھڑی تلاش کر رہا تھا۔''

''گھڑی گیا...... سالا جہنم میں۔''

''تم اگر وہ البم مجھے دے دو تو میں گھڑی نہیں مانگوں گا۔'' قاسم نے کہا۔

''نہیں ڈے گا......تم چالو......نہیں گولی مارٹا۔''

قاسم پھر چلنے لگا اور سانوٹے کے غار میں پہنچ کر اُس نے کہا۔''اچھا ایک بار دکھا ہی دو۔''

سانوٹے ہنسنے لگا۔

''الاقسم میں بھاگ تھوڑا ہی رہا تھا۔'' قاسم نے کہا۔''یہاں آیا اور اس راستے سے ادھر چلا گیا۔''

''بیٹھ جاؤ......!'' سانوٹے نے ریوالور پتلون کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اس نے البم نکالا اور وہ دونوں اس طرح تصویریں دیکھنے لگے جیسے کچھ دیر قبل کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ شاید سانوٹے بھی قاسم کی طرح خبطی تھا۔ پھر اُن دونوں میں راز و نیاز شروع ہو گئے۔

''اس کا آنکھ دیکھو......!'' سانوٹے نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''قاتل ہے۔'' قاسم ہونٹ چاٹ کر بولا۔

''کاٹل کیا ہوتا۔''

''مرڈر......!'' قاسم نے قاتل کا انگریزی ترجمہ کیا۔

''تم الو ہو...... یہ کاٹل کیسے ہوتا...... اتنا اچھا ہے۔ نہیں کاٹل نہیں ہوتا۔''

پھر وہ دونوں اپنی محبوباؤں کی باتیں کرنے لگے۔

''ہمارا چار بی لوّڈ ہے۔'' سانوٹے بولا۔''تم بی لوّڈ کو کیا بولتا ہے؟''

''معشوق......!'' قاسم نے کہا۔

''ماشوک......!'' سانوٹے ہنہنانے لگا۔

''ابے سالے تو اچھا خاصا آدمی ہے پھر کیوں گھوڑا بنتا ہے۔'' قاسم نے کہا۔

''ہمارا ماشوک نے ہم کو گھوڑا بنا ڈالا۔'' وہ پھر ہنہنایا۔

''اگر تم گھوڑا ہے تو میں تجھ پر سواری کروں گا۔'' قاسم نے کہا۔

''آؤ......!'' وہ گھوڑا بن گیا اور قاسم اس پر سوار ہوگیا۔ اس نے غار کے دو تین چکر لگائے اور پھر یک بیک ہنہنا کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ قاسم ہنسی میں مگن تھا کہ اس کا سر پچھلی دیوار سے ٹکرایا اور وہ ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ سر تو نہیں پھٹا تھا لیکن اچانک چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوش ضرور ہوگیا تھا۔ سانوٹے اسے اس حال میں دیکھ کر ہنسنے لگا۔ وہ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر اس نے قاسم کے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے۔ جسم پر ایک دھجی بھی نہیں چھوڑی۔ اس نے اس کے سارے کپڑے اپنے صندوق میں رکھ دیئے پھر دوات اٹھائی اور اس میں انگلی ڈبو ڈبو کر قاسم کے ڈاڑھی اور مونچھیں بنانے لگا۔

پھر اچانک جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے دوات میز پر رکھ دی اور سرنگ میں دوبارہ داخل ہوگیا۔ یہاں کے بلب اب بھی روشن تھے۔ وہ چلتا رہا۔ پھر اس جگہ پر پہنچا جہاں پر سرنگ ختم ہوگئی تھی۔ یہاں ایک طرف لوہے کا ایک بے ڈھنگا سا ڈھانچہ رکھا ہوا تھا جس میں کل پرزے بھی نظر آ رہے تھے۔ اس نے اس میں لگے ہوئے ایک چھوٹے سے پہیئے کو حرکت دی۔ دوسرے ہی لمحے میں سرنگ کے سرے پر ایک چھوٹا سا دروازہ نمودار ہوگیا اور اب سانوٹے اسی غار میں تھا جس میں تھوڑی دیر قبل فریدی اور حمید سر مارتے پھر رہے تھے۔ سانوٹے نے جھاڑیوں کی شاخیں اٹھا اٹھا کر غار کے دہانے میں پھنسانی شروع کر دیں۔

پہاڑ سے مقابلہ

فریدی اور حمید ابھی چڑھائی پر ہی تھے کہ بوندیں رک گئیں۔ فریدی پھر پلٹ پڑا اور حمید کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔

''اس غار کے متعلق آپ نے جو کچھ کہا انہیں میں دلائل نہیں بلکہ مفروضات سمجھتا ہوں۔''

''اور میں تمہارے اس خیال کی قدر کرتا ہوں۔'' فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''جب تک زندہ حقائق سامنے نہ آ جائیں کسی بات پر یقین نہ کرنا چاہیے۔''

''تو پھر اس دردسری سے کیا فائدہ۔''

''کسی چیز کا خیال اس کی پیدائش کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ میں ایک بار پھر اُس غار کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے وہاں کوئی غیر فطری چیز دیکھی تھی۔ اس کا کچا سا شعور اب بھی میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔''

''چلئے جناب......اب پکائیے اس شعور کو اور مجھے بھی کھلائیے۔'' حمید عاجز آ کر بولا۔

غار اور ان میں پائی جانے والی اشیاء کے متعلق اُس نے جو خیال قائم کیا تھا اُس پر اب بھی جما ہوا تھا اور اب وہ دوبارہ وہاں جانے کو تضیع اوقات ہی سمجھتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی جگہ پہنچ گئے۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی اور پھر وہ حمید کی طرف مڑا جس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

''کیا یہ جھاڑیاں دراڑ میں پھنسا کر گئے تھے۔'' فریدی نے آہستہ سے پوچھا اور حمید نے اندھیرے میں بھی اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک محسوس کر لی۔ جو کشت وخون کے موقعوں پر ضرور نظر آتی تھی۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے جھاڑیوں کی شاخیں دراڑ سے ہٹانا شروع کر دیں۔ راستہ صاف ہو جانے کے بعد اس نے دراڑ میں ٹارچ ڈال کر اندر کا جائزہ لیا۔ غار پہلے ہی کی طرح ویران نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ انہیں غار میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ فریدی کی ٹارچ کی روشنی کی ننھی سی لکیر تیزی سے ادھر اُدھر گردش کر رہی تھی۔ آخر وہ ایک ابھرے ہوئے پتھر کے سامنے رک گیا۔

''ذرا اسے دیکھو......!'' فریدی نے کہا۔ ''کیا یہ پتھر تمہیں غیر قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔''

''قطعی نہیں۔'' حمید بولا۔ ''مجھے تو ایسی خاص بات نظر نہیں آتی۔''

''اوہ......اس کی جڑ میں دیکھو...... یہ چاروں طرف لکیر کیسی ہے۔ شاید یہ چیز میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ میں نے اُسے پہلے بھی دیکھا تھا لیکن اس پر غور نہیں کیا تھا۔''

حمید نے جھک کر بڑے غور سے دیکھا۔ واقعی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے وہاں خاص طور سے فٹ کیا گیا ہو۔ اُسی جگہ کئی دوسرے پتھر بھی تھے مگر ان میں یہ بات نہیں تھی اور بادی

النظر میں وہ پتھر بھی دوسروں ہی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اسے فریدی کی باریک بین نظروں کا قائل ہو جانا پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پتھر پر زور آزمائی کر رہا تھا۔ لیکن اس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ آخر وہ تھک کر پیچھے ہٹ آیا اور خود ہی بڑبڑانے لگا۔ ''کیا حماقت تھی۔ بھلا یہ زور آزمائی کے لئے یہاں لگایا گیا ہوگا'' وہ پھر ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ یہاں غار میں دو تین چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے۔ دوسرے لمحے میں روشنی کی پتلی سی لکیر ان گڑھوں میں رینگنے لگی۔ حمید کو بھی اچانک یاد آ گیا کہ جیرالڈ کی پچھلی زمین دوز دنیا کا نظام بھی مشینوں ہی پر قائم تھا۔ اس کے ذہن میں طوفان سے اٹھ رہے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ کامیابی سے اتنے قریب ہیں۔ دفعتاً اس نے فریدی کی آواز سنی جو ایک گڑھے پر جھکا ہوا اس میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔ حمید اس کی طرف لپکا پھر اُس نے فریدی کو اس گڑھے میں سے پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نکالتے دیکھا۔

''چلو...... جلدی کرو...... میرا ہاتھ بٹاؤ۔'' فریدی کی آواز کانپ رہی تھی۔ حمید نے جھک کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ پتھروں کے ڈھیر سے لوہے کی ایک موٹی سی سلاخ جھانک رہی تھی اور پتھروں کو ہٹانے پر وہ ایک بڑے سے پہیے کے کنارے پر لگا ہوا ہینڈل ثابت ہوئی۔ فریدی نے ہینڈل پکڑ کر پہیے کو گردش دی اور ساتھ ٹارچ کا رخ اس پتھر کی طرف ہو گیا جو ایک طرف سے اس طرح اٹھ رہا تھا جیسے کسی صندوق کا ڈھکن کھل رہا ہو۔ فریدی نے ہاتھ روک کر آسودگی کی ایک گہری سانس لی اور حمید سے بولا۔

''اب تمہارا کام شروع ہوتا ہے...... تمہاری جیب میں ٹارچ ہے نا......!''

''ہے......!'' حمید اپنی جیب میں پڑی ہوئی ٹارچ کو ٹٹولتا ہوا بولا۔

''اچھا تو تم...... گھاٹی میں جاؤ...... فوجی دستے کے انچارج کیپٹن شہاب سے کہنا کہ تم میرے آدمی ہو اور میں کامیاب ہو گیا۔ انہیں ساتھ لاؤ۔ لیکن گھاٹی میں اترتے ہی ٹارچ کا رخ خیموں کی طرف کر کے اسے تین بار جلانا نہ بھولنا۔ ورنہ پہرے داروں کی گولیاں تمہارے جسم کو چھلنی کر دیں گی۔ سمجھے اور ہاں دوسری بات بھی...... کیپٹن شہاب سے کہنا کہ فوراً ہی میجر نصرت

کو اس کی اطلاع بھجوا دے کہ فریدی پہنچ گیا اور پھر وہ اپنا کام کرنے لگے گا۔''

''کیسا کام......؟''

''فیلڈ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری...... خاص طور سے وہ پاگل......وہ بہت اہم ہے۔اب میں کچھ کچھ اس کی اصلیت کو پہنچ رہا ہوں۔''

''کیا بات ہے؟''

''پھر......ابھی نہیں۔'' فریدی اُسے دھکیلتا ہوا بولا۔''جاؤ......جلدی کرو۔''

سانوٹے اپنے غار میں واپس پہنچا تو قاسم کو ہوش آ چکا تھا اور وہ اس کے بستر کی چادر لپیٹے بیٹھا بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

''ارے ستیاناس۔'' قاسم اُسے دیکھ کر للکارا۔''یہ کیا کیا تو نے سُوّر کے بچے۔''

''بھاگ جاؤ سالا......ہمارا چادر چھوڑو۔'' وہ چادر کھینچنے لگا۔

''ابے......ابے......دھت تیری......سس......سالے......ہماری......حرامی۔''

دونوں میں چادر کے لئے جدوجہد ہونے لگی۔ سانوٹے کبھی قہقہے لگاتا اور کبھی ہنہنانے لگتا۔ آخر اس نے چادر چھین ہی لی اور قاسم بدحواسی میں اس غار سے نکل کر بھاگا۔ قریب ہی ایک دوسرا دروازہ نظر آیا اور وہ اس میں گھس گیا۔ دو نسوانی چیخیں بلند ہوئیں۔ اندر سے دو لڑکیاں چیختی ہوئی باہر نکلیں اور بدحواسی میں بھاگتی چلی گئیں۔ سانوٹے نے یہ سب کچھ سنا لیکن باہر نکل کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سب حرکتیں کسی مشین سے سرزد ہوئی ہوں۔ اس نے بستر کے نیچے سے شراب کی بوتل نکالی اور اسے ہونٹوں سے لگا کر ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ پھر اس نے اسے ایک طرف اچھالتے ہوئے چادر تان لی۔ بوتل زمین پر گر کر چور چور ہوگئی۔ اچانک اس کے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی زور زور سے بجی اور وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پھر اس نے دوسرے لمحے میں سرنگ کے دہانے میں چھلانگ لگا دی۔

یہاں اندھیرا تھا اس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ کو دبا کر سرنگ کے بلب روشن کر دیئے اور تیزی سے دوڑتا ہوا آخری سرے تک آیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ سامنے والی دیوار کو گھور رہا تھا جس کی سطح پر ایک طرف تھوڑی ناہموار ہوگئی تھی۔ پھر اس نے بڑی پھرتی سے جھک کر مشین کا پہیہ گھمایا۔

فریدی بے اختیار چونک پڑا۔ کیونکہ غار روشن ہوگیا تھا اور وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر بالکل ایک صندوق کے ڈھکن کی طرح ایک طرف ہوگیا تھا۔

دوسرے لمحے میں کوئی جھپٹ کر اس راستے سے باہر آیا۔

''خبر دار......!'' فریدی نے ریوالور نکال لیا۔ لیکن سانوٹے ریوالور کی پرواہ کئے بغیر اُس پر ٹوٹ پڑا۔ فریدی نے پے در پے تین فائر کئے لیکن سانوٹے پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا لوہے جیسا جسم فریدی کو دبا رہا تھا فریدی ریوالور پھینک کر اس سے لپٹ پڑا۔ اس نے اسے اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ وہ اسی روائتی گھوڑے سے الجھا ہوا تھا جس کا شہرہ رام گڑھ میں عام تھا۔ فریدی لپٹ تو پڑا لیکن اب اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے کبھی زیر نہ کر سکے گا۔ اس میں بلا کی طاقت تھی اور فریدی کو یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے سچ مچ کسی گھوڑے ہی سے کشتی لڑ رہا ہو۔ فریدی کو افسوس تھا کہ اس نے ریوالور کیوں پھینک دیا۔ وہ اس کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ گولی کہاں کار آمد ثابت ہوسکتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو ریل رہے تھے۔ ایک بار فریدی کا پیر ریوالور پر پڑ کر پھسل گیا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھٹنوں کے بل زمین پر چلا آیا لیکن ریوالور اب اس کے ہاتھ میں تھا۔ دفعتاً فریدی نے سرنگ میں کئی آدمیوں کے قدموں کی آوازیں سنیں اور سانوٹے چیخنے لگا۔ بڑا خوفناک لمحہ تھا۔ فریدی اپنا وہ ہاتھ آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگا جس میں ریوالور تھا۔ مقدر یاور تھا کہ وہ اس میں کامیاب ہوگیا۔ دوسرے لمحے میں ریوالور کی نال سانوٹے کے چہرے سے جا لگی اور فریدی نے یہ

سوچے بغیر پے در پے کئی فائر کر دیئے کہ اگر اسکا ہاتھ ذرا سا بھی ہل گیا تو خود اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ ہر فائر کے ساتھ اس نے سانوٹے کی بھیانک چیخیں سنیں اور پھر اس کا جسم اس کے اوپر سے پھسل کر ایک طرف لڑھک گیا۔ پانچ چھ انگریز سرنگ کے دہانے پر پہنچ چکے تھے۔

''خبر دار......!'' فریدی ریوالور کا رخ ان کی طرف کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کا سر چکرا رہا تھا۔ ابھی تک وہ سچ مچ ایک پہاڑ سے لڑتا رہا تھا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ اپنے ذہن پر قابو رکھ سکے مگر ناکام رہا اور ریوالور سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ انگریز اس پر ٹوٹ پڑا۔

حمید فریدی سے رخصت ہو کر گھاٹی میں اترا اور اس نے ٹارچ کا رخ کیمپ کی طرف کر کے اسے تین بار روشن کیا اور پھر خیموں کی جانب چل پڑا۔ ابھی وہ آدھے ہی راستے میں تھا کہ اس نے بھاری قدموں کی آواز سنی۔ پھر جلد ہی اس کا سابقہ پانچ عدد اٹھی ہوئی رائفلوں سے پڑا۔

''تم کون ہو......؟'' ایک فوجی نے کہا۔

''دوست...... مجھے کیپٹن شہاب کے پاس لے چلو۔''

''تم نے کتنی بار ٹارچ جلائی تھی؟''

''تین بار......!'' حمید نے گہری سانس لی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد شہاب کے پاس پہنچ جائے کیونکہ وہ فریدی کو غار میں تنہا چھوڑ آیا تھا اور وہ فریدی کی اس عادت سے بخوبی واقف تھا کہ شکار کے قریب پہنچ جانے پر پھر اس سے صبر نہیں ہو سکتا۔

فوجی اسے کیپٹن شہاب کے پاس لے گئے۔ حمید نے فریدی کا پیغام دہرا دیا۔

''آپ کون ہیں......؟'' کیپٹن شہاب نے پوچھا۔

''سارجنٹ حمید...... میرے خیال سے جلدی کیجئے۔''

''لیکن مسٹر فریدی ہیں کہاں۔''

حمید نے واقعات بتاتے ہوئے کہا۔''اب وہ اس غار میں ہمارے منتظر ہوں گے۔''

''انہیں کا کام تھا۔ اچھا ٹھہریئے۔'' کیپٹن شہاب نے کہا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔

حمید بری طرح بے تاب تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی تنہا ہی غار میں نہ داخل ہو گیا ہو۔ ہر لحظہ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ تیاری میں پندرہ بیس منٹ لگ گئے اور حمید خون کے گھونٹ پیتا رہا۔ پھر تیس آدمیوں کا دستہ شہاب کی قیادت میں چٹانوں کی طرف بڑھنے لگا۔

''ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' شہاب نے کہا۔''میں مسٹر فریدی کا پیغام میجر نصرت کے پاس ٹرانسمیٹر کے ذریعہ بھی پہنچا سکتا تھا لیکن مسٹر فریدی نے مجھے پہلے ہی ہدایت کر دی تھی کہ میں میجر نصرت کے پاس کوئی خاص آدمی بھیجوں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔''

''پتہ نہیں۔'' حمید تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا بولا۔''وہ ہمیشہ ہر بات کی وجہ بعد ہی میں بتاتے ہیں۔''

وہ تھوڑی ہی دیر بعد چٹان کے قریب پہنچ گئے۔

سب سے پہلے حمید غار میں اترا...... پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ چیخ رہا تھا۔

''کیپٹن جلدی آؤ...... یہاں اس گھوڑے کی لاش پڑی ہے۔''

کیپٹن غار میں اتر گیا اور اس کے بعد بقیہ فوجی بھی ایک ایک کر کے اترے۔ سانوٹے کی لاش بڑی خوفناک لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔

''لیکن......!'' حمید تقریباً چیخ پڑا۔''فریدی صاحب کہاں ہیں۔''

غار میں کئی ٹارچیں روشن تھیں۔ حمید اس پتھر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بدستور اپنی جگہ پر تھا۔

''غضب ہو گیا۔'' حمید بوکھلا کر بولا۔''شاید فریدی صاحب پکڑ لئے گئے۔''

''کیوں...... یہ کیسے۔'' شہاب اُسے گھور کر بولا۔

''اگر وہ خود سے گئے ہوتے تو راستہ کھلا ہوتا۔''

''ہوسکتا ہے خود انہوں نے اندر سے بند کر لیا ہو۔ آخر ادھر بھی تو کچھ ہوگا۔''

حمید اس گڑھے کی طرف جھپٹا جس میں پہیہ تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ

سے چیخ نکلی۔ اگر ایک فوجی اسے سہارا نہ دیتا تو وہ چکرا کر گر ہی پڑتا۔

''کیا ہوا......؟'' کیپٹن شہاب اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''پہیہ بھی غائب ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''پہیہ غائب تھا...... جس جگہ وہ نصب تھا وہاں صرف ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔''

''وہ انہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔'' حمید ہذیانی انداز میں چیخا ''کچھ کیجئے...... کچھ کیجئے۔''

''میں کیا کروں...... کیا کر سکتا ہوں۔''

''اوہ...... میں کیا بتاؤں۔'' حمید سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بچوں کی طرح چیخ چیخ کر روئے۔ کیپٹن شہاب پہیے کی جگہ والے سوراخ کا جائزہ لے رہا تھا۔

''اس کے اندر کچھ ہے تو......!'' اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''لیکن کیا کیا جا سکتا ہے...... اور اچھا ہم اس پتھر کو توڑنے کی کوشش کریں...... مگر یہ بھی محال ...... مگر ٹھہریئے میں کیمپ سے کدالیں منگواتا ہوں۔''

بساط الٹتی ہے

فریدی کو جلد ہی ہوش آ گیا۔ ہوش میں آتے ہی اُسے اپنی کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ شاید زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اسے اس قسم کی زک اٹھانی پڑی تھی۔ اگر وہ لڑکھڑا کر ان کے قابو میں نہ آیا ہوتا تو اُسے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ سب غیر متوقع طور پر خوفزدہ ہو چکے تھے کہ اس کا سر چکرا گیا اور انہوں نے اُسے ایک بے بس چوہے کی طرح دبوچ لیا۔ ان انگریزوں کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ بیرونی غار میں کیا ہو رہا ہے۔ مگر قاسم والے ہنگامے نے انہیں ہوشیار کر دیا تھا۔ خوفزدہ لڑکیوں نے انہیں قاسم کے متعلق بتایا اور پھر وہ سب قاسم کو گھیر کر ڈنڈوں سے پیٹنے لگے۔ بہرحال اس نے کسی نہ کسی طرح چیخ چیخ کر انہیں سانوٹے کی حرکت سے متعلق بتایا اور وہ قاسم کو چھوڑ کر سانوٹے کے غار کی طرف جھپٹے۔ یہاں انہوں نے سانوٹے کے بستر کے سرہانے لگے ہوئے الارم پر خطرے کا سرخ بلب جلتا ہوا دیکھا اور سرنگ بھی روشن نظر آئی۔ اس طرح ان کی رسائی بیرونی غار تک ہوئی تھی۔ فریدی پر قابو

پانے کے بعد انہوں نے بیرونی غار والا پہیہ نکال لیا تھا اور مطمئن ہو گئے تھے کہ اب دنیا کی کوئی طاقت سرنگ کے راستے والے پتھر کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتی۔ وہ کچھ دیر بیرونی غار میں بھی ٹھہرے رہے تھے لیکن انہیں کسی طرف سے کوئی آہٹ نہ ملی اور وہ مطمئن ہو گئے کہ ان کا شکار تنہا ہی تھا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور فریدی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ فریدی نہتا ہو چکا تھا...... لیکن اس غیر متوقع شکست پر اس طرح بپھرا ہوا تھا کہ موقع کی نزاکت کا احساس بھی جاتا رہا۔

''ارے......!'' دفعتاً ایک انگریز چیخا۔ ''یہ تو فریدی ہے۔''

''فریدی......!'' وہ سب بیک وقت بولے۔

''ہاں...... ٹھہرو...... میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔''

''وہ عورت کہاں ہے؟'' دفعتاً فریدی چیخا۔

''کون عورت......؟'' پستہ قد انگریز نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ جسے میں غار میں تھوڑی دیر قبل چھوڑ گیا تھا۔''

''کیا بکتے ہو۔'' پستہ قد انگریز غرایا۔ ''اگر تم فریدی ہو تو اب ہم دھوکہ نہیں کھا سکتے۔''

''کیسا فریدی۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ ''تم لوگ کون ہو...... اور یہ سب کیا ہے۔ پہلے تو یہ سب نہیں تھا۔ میں ہمیشہ اس غار کو استعمال کرتا رہا ہوں۔''

فریدی نے کسی عیاش آدمی کی طرح مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دبائی۔ پھر وہ دفعتاً غصہ کی آواز سے بولا۔ ''وہ عورت کہاں ہے...... اُسے واپس کر دو...... ورنہ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔''

''یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تم بہت بُرے آدمی ہوں...... ورنہ لوگ عیاشی کے لئے عورت کے ساتھ ریوالور نہیں لاتے۔'' ایک انگریز نے کہا۔ پھر وہ پستہ قد انگریز سے بولا۔ ''اگر یہ فریدی ہی ہے تو اس کے لئے ایک بہترین تحفہ ثابت ہوگا۔ کیوں......؟''

''یہ فریدی ہی ہے۔'' پستہ قد انگریز نے کہا۔ ''اس کی تصویریں باس کے کمرے میں بند ہیں ورنہ میں تمہیں یقین دلا دیتا۔''

ان کی گفتگو سے فریدی نے اندازہ لگالیا کہ وہ باس جیرالڈ ہی ہوسکتا ہے۔ اور وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہے۔ اس بے بسی کے عالم میں بھی اُسے افسوس ہو رہا تھا۔ افسوس کی بات ہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس بار پھر جیرالڈ بچ نکلے گا۔

''ارے وہ موٹا تو ہے۔'' دفعتاً ایک بولا۔ ''وہ تو اُسے پہچانتا ہی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔'' پستہ قد انگریز نے کہا۔ ''میں اُسے لاتا ہوں۔''

وہ چلا گیا۔ بقیہ چھ انگریز فریدی کے سر پر مسلط رہے۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ شاید اس وقت یہاں جیرالڈ کے آدمیوں میں سے صرف اتنے ہی ہیں اگر ان کے علاوہ بھی کچھ اور ہوتے تو وہ بھی اب تک یہاں پہنچ چکے ہوتے۔

قاسم جیسے ہی کمرے کے سامنے پہنچا باہر کھڑی ہوئی لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ اُس کا حلیہ ہی اس قسم کا تھا کہ دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی۔ روشنائی سے بنائی ہوئی ڈاڑھی اور مونچھیں ابھی تک برقرار تھیں۔ شاید قاسم کو ان کا علم ہی نہیں تھا۔ اس نے لڑکی کا پھولدار پیٹی کوٹ اپنی کمر کے گرد منڈھ رکھا تھا اور جسم کا اوپری حصہ بالکل ننگا تھا۔ فریدی نے اُسے اس حالت میں دیکھا تو اُسے ہنسی آگئی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں قاسم اُسے شناخت ہی نہ کرلے۔

قاسم دروازے کے سامنے رک گیا تھا۔ ایک بار اس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کھلے، لیکن پھر بند ہو گئے۔ وہ بالکل ساکت وصامت فریدی کو گھور رہا تھا۔ وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں تھا کہ سچویشن کو نہ سمجھتا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ تھوڑی دیر قبل اس پر ڈنڈوں کی بارش ہو چکی تھی۔ وہ چپ کھڑا رہا۔

''اسے پہچانتے ہو۔'' پستہ قد انگریز نے فریدی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''میں نہیں جانتا۔'' قاسم غرا کر بولا۔ ''تم لوگ مجھے سونے کیوں نہیں دیتے۔''

''تم جھوٹے ہو۔'' پستہ قد انگریز نے کہا۔

''تم جھوٹے...... تمہارا باپ جھوٹا...... سالو کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں شاستری صاحب کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا ورنہ اب تک تم میں سے ایک آدھ کو مروڑ کر رکھ دیتا۔'' قاسم

جھلا کر واپس جانے کے لئے مڑا۔

''سنو تو......!'' پستہ قد انگریز نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔

''نہیں سنتا......!'' قاسم مڑے بغیر دھاڑا اور اپنے غار کی طرف چل پڑا۔ لیکن اس کی برف زدہ کھوپڑی حرکت میں آ گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ فریدی کو ضرور مار ڈالیں گے کیونکہ وہ کئی بار اس کے متعلق ان لوگوں کی گفتگو سن چکا تھا اور اگر فریدی مر گیا تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے اس قید سے رہائی نہ دلا سکے گی۔ تھوڑی برف اور پگھلی۔ دفعتاً اُسے ان ساٹھ ستر قیدیوں کا خیال آیا جو سانوٹے کے ڈر سے دن رات گدھوں کی طرح محنت کرتے تھے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ انہیں اکسایا جائے۔ اگر وہ سب ایک ساتھ پل پڑیں تو آٹھ دس انگریزوں کی چٹنی بہ آسانی بن جائے گی۔ لیکن وہ لڑکیاں۔ وہ انہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اس کا دل لڑکیوں کے لئے بُری طرح کڑھنے لگا...... جیسے ہی وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں مزدور جانوروں کی طرح رہتے تھے ہر طرف قہقہے بلند ہونے لگے۔ وہ سب لوگ جاگ رہے تھے اور جو سوئے بھی تھے وہ قاسم اور سانوٹے کے ہنگامے کی وجہ سے جاگ پڑے تھے۔ لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کمرے سے باہر قدم نکالتا۔

''ابے سنو...... ہنسو نہیں۔'' قاسم دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

پھر بھی کچھ لوگ ہنستے رہے۔

''اچھا...... تو میں بلاتا ہوں سانوٹے کو۔'' قاسم نے دھمکی دی اور یک بیک اس طرح خاموشی چھا گئی جیسے قہقہوں میں بریکیں لگ گئی ہوں۔

''دیکھو......!'' قاسم نے انہیں مخاطب کیا۔ ''آج ان حرامزادوں نے ایک ایسے آدمی کو پکڑلیا ہے کہ کیا بتاؤں۔ اگر انہوں نے اسے مار ڈالا تو کیا بتاؤں؟ ہم زندگی بھر یہاں سے نہ نکل سکیں گے۔ وہ ہماری رہائی کے لئے یہاں آیا تھا لیکن پکڑلیا گیا۔ وہ اُسے مار ڈالیں گے۔''

''تو پھر ہم کیا کریں۔'' ایک آدمی نے کہا۔

''ارے تم سب کچھ کر سکتے ہو میرے پیارے۔'' قاسم نے کہا اور اُسے یک بیک قومی

لیڈروں کی تقریریں یاد آنے لگیں۔اس نے مٹھی باندھ کر کہا۔''تم سپوت کے وطن ہو! ہم لڑائی کے لئے آزادی کریں گے اور لڑیں گے آزادی کے لئے۔ وہ صرف سات ہیں اگر تم لپٹ پڑو تو سب کی چٹنی بن جائے گی اور جس سے ڈرتے ہو وہ سالا گھوڑا بھی اس وقت موجود نہیں۔''

''مگر ہم...... باہر تو نہ نکل سکیں گے۔'' ایک نے کہا۔''ہم راستہ نہیں جانتے۔ دوسرے آ کر ہماری چٹنی نہ بنا دیں گے۔''

''ارے میرے پیارے بھائیو۔'' قاسم بولا۔''وہ آدمی جسے پکڑا گیا ہے ایک بڑا آفیسر ہے اور وہ راستہ جانتا ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔''

''نہیں وہ گھوڑا.....!''

''ابے چلو......! اُس سے میں نپٹ لوں گا وہ مجھے نہیں پچھاڑ سکتا۔''

''کیوں غول مچاتا۔'' دفعتاً ایک انگریز دروازے کے قریب آ کر چیخا اور وہ سب سہم گئے۔ قاسم آہستہ سے انگریز کی طرف بڑھا اور اس نے اس کی گردن پکڑ لی اور اسے اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ وہ منہ سے آواز بھی نکال سکتا۔ پھر اُس نے اُسے سر سے اونچا اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اُس کے منہ سے صرف ایک ہی چیخ نکل سکی۔

''آؤ...... بڑھو......!'' قاسم نے انہیں پھر للکارا۔ لیکن انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی۔

''اچھا......!'' قاسم بپھر کر انہیں گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔''میں جاتا ہوں اور ان سے کہہ دوں گا کہ تم نے اس انگریز کو مار ڈالا۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرا کچھ خیال بھی کرتے ہیں۔''

''نہیں......نہیں۔'' بہت سی آوازیں آئیں اور پھر ان میں کھسر پھسر ہونے لگی۔

''ہم تیار ہیں۔'' آخر دو تین آدمیوں نے کہا۔

''تو آؤ......اور کچھ دیکھے سنے بغیر ان پر ٹوٹ پڑو۔''

ادھر دو تین انگریز فریدی کو اس کمرے سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسے کسی محفوظ جگہ میں بند کر دیں۔ وہ اپنی انتہائی قوت صرف کر رہے تھے لیکن فریدی اپنی

جگہ سے ہلنے کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اچانک اس کا ہاتھ ایک انگریز کی جیب سے ٹکرایا جس میں اُسے ریوالور کی موجودگی کا شبہہ ہوا۔

''دیکھو......اٹھو......ورنہ گولی ماردوں گا۔'' دروازے کے قریب کھڑے ہوئے انگریز نے کہا جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اچانک فریدی نے ان انگریزوں سے ایک کو دھکا دیا جو اُسے اٹھانے کی کوشش کرر ہے تھے۔ یہ وہی انگریز تھا جس کی جیب میں فریدی کو ریوالور محسوس ہورہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ اس کی جیب میں تھا اور باہر نکلتے ہوئے ریوالور کی نال سے ایک شعلہ نکلا۔ دروازے کے قریب کھڑا ہوا انگریز چیخ مار کر ڈھیر ہوگیا۔ بقیہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔

''خبردار......!'' فریدی انہیں ریوالور کی زد میں لیتا ہوا بولا۔

پانچ مرد اور پانچ عورتیں بے بس کھڑی تھیں۔

پھر باہر شور سنائی دیا۔ قاسم درانہ اندر گھستا چلا گیا۔ اس کے پیچھے دوسرے آدمی بھی تھے۔ لیکن یہاں کی پچویشن دیکھ کر وہ سب سناٹے میں آ گئے۔

لڑکیوں کے منہ سے خوفزدہ سی چیخیں نکلیں۔

''قاسم......تم واقعی عقلمند ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''بس اب انہیں باندھ لو......کوئی مرنے نہ پائے۔''

''واہ......! ان سالوں کی تو چٹنی بنے گی۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''نہیں جو میں کہتا ہوں وہ کرو......کل اخبارات میں تمہارا نام بڑی شان سے شائع ہوگا۔''

''اچھی بات ہے......'' قاسم لڑکیوں کو گھورتا ہوا بولا۔ ''آپ کہتے ہیں تو میں مانے لیتا ہوں۔''

''وہ سب اس طرح پکڑ لئے گئے جیسے مرغیاں پکڑی جاتی ہیں۔''

''لیکن......وہ سالا گھوڑا نہیں ہے۔'' قاسم نے فریدی سے کہا۔

''اسے میں نے پہلے ہی مار ڈالا۔'' فریدی بولا

''سنا تم نے۔'' قاسم مزدوروں کو مخاطب کر کے بولا۔ ''فریدی صاحب نے سانوٹے کے بچے کو پہلے ہی مار ڈالا۔''

مزدور خوش ہو کر چیخنے لگے۔

''فریدی صاحب۔'' قاسم بڑے زور سے چیخا۔ پھر دانت نکال کر مزدوروں سے کہنے لگا۔ ''ابے زندہ باد کہو۔''

مزدوروں نے زندہ باد کی ہانک لگائی۔

''کیا بیہودگی ہے۔'' فریدی کو ہنسی آ گئی۔

قاسم نے فریدی کو سرنگ کے متعلق بتایا۔ فریدی قاسم کو وہیں چھوڑ کر سرنگ میں داخل ہوا۔ سرنگ کے بلب اب بھی روشن تھے۔ فریدی کو یقین تھا کہ ان لوگوں نے بیرونی غار والے میکنزم کو ضرور تباہ کر دیا ہوگا۔ ورنہ اب تک حمید وغیرہ ضرور داخل ہو جاتے۔ وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ بیرونی غار میں سر مار رہے ہوں۔

وہ سرنگ کے آخری سرے پر آ کر رک گیا اور یہاں وہ مشین کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی جس سے سرنگ کا دہانہ کھولا جاتا۔ فریدی سرنگ کے دہانے پر پے در پے دھمک محسوس کر رہا تھا۔ کہیں وہ لوگ اس پتھر کو توڑنے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہیں۔ اس نے مشین کے پہیئے کو تھوڑا سا گھمایا۔ ایک پتلی سی دراڑ دیوار میں پیدا ہوگئی۔ دوسری طرف کا شور سنائی دینے لگا اور کئی کدالوں کے پھل دراڑ میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے تھوڑا درہ اور کیا اور پھر چیخ کر بولا۔

''کیپٹن کہیں گولی نہ مار دینا...... میں ہوں فریدی۔''

''فریدی صاحب......!'' اُسے حمید کی چیخ سنائی دی۔

''ہاں میں ہوں۔'' فریدی نے کہا اور پورا دہانہ کھول دیا۔ سب سے پہلے حمید گرتا پڑتا اس تک پہنچا۔ پھر کیپٹن۔

''افسوس......!'' فریدی بولا۔ ''جیرالڈ یہاں موجود نہیں تھا۔''

جہنم میں گیا جیرالڈ......!'' حمید جھلا کر بولا۔ ''آپ اکیلے ہی کیوں گھس پڑے تھے۔''

فریدی نے مختصراً پوری روداد دہرائی پھر بولا۔ ''میں ذرا اس گھوڑے کی لاش دیکھوں گا...... میرا خیال ہے کہ وہ کوئی سائنسی کارنامہ نہیں تھا۔''

''ٹھیک خیال ہے آپ کا......!'' کیپٹن نے کہا۔ ''اس میں تو بھس بھرا ہوا تھا۔ اس کے جسم کی کھال پلاسٹک کی ہے اور اُس میں بال لگے ہوئے ہیں اور اس کھال کے نیچے اس نے بلٹ پروف پہن رکھے تھے، لیکن کمال کی کھال بنائی تھی۔ بالکل اصلی معلوم ہوتی تھی۔''

''میں نے بلٹ پروف محسوس کر لئے تھے۔'' فریدی بولا۔ ''اسی لئے میں نے اس کے چہرے پر فائر کئے تھے مگر تھا کسی گھوڑے ہی کی طرح طاقتور...... خدا کی پناہ۔''

پھر وہ سب اندر آئے۔ قاسم کی حالت دیکھ کر حمید ہنسی کے مارے گر پڑا۔ قاسم سارے غاروں میں اسے دوڑاتا پھر رہا تھا۔ ایک ایک کر کے قیدی باہر نکالے جانے لگے۔ پھر حمید فریدی، قاسم اور کیپٹن ان غاروں میں تنہا رہ گئے۔ فریدی وہاں پہنچا جہاں بجلی پیدا کرنے والا جنریٹر چل رہا تھا۔ اس نے اس کو بند کر دیا۔ وہ سب باہر آئے۔ دہانے پر تیس فوجیوں کو تعینات کر دینے کے بعد وہ گھاٹی میں اتر کر اس خوفناک چٹان کی طرف بڑھنے لگے جو اب تک دو آدمیوں کی جانیں لے چکی تھی۔ چٹان کے نیچے پہنچ کر فریدی حمید اور شہاب کے احتجاج کے باوجود وہ اوپر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا۔

وہ بندروں کی طرح جھولتا ہوا چٹان کے اوپر پہنچ گیا۔ حمید کا دل دھڑک رہا تھا۔ لیکن اس نے کوئی خوفناک چیخ نہیں سنی۔ فریدی تھوڑی دیر بعد پھر نیچے آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''وہی بات...... جو میں نے پہلے کہی تھی۔ چٹان پر باریک باریک تاروں کا جال بچھا رکھا تھا جن میں ہر وقت کرنٹ رہتا تھا اور یہ جگہ انہوں نے ایسے موقعوں کے لئے بنائی تھی جب پولیس اس گھوڑے کا تعاقب کرے۔''

آخری معرکہ

دوسرے دن کے اخبارات کے ضمیمے بہت جلد بازار میں آ گئے پھر اسی جیرالڈ کی داستان تھی جس کے ذکر سے چھ ماہ پیشتر دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا تھا...... غاروں کی داستان تھی جن

سے بے اندازہ دولت برآمد ہوئی تھی۔ تین عجوبہ روزگار راکٹ دستیاب ہوئے تھے جن کے متعلق خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ آواز سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اوپر جاتے ہیں۔ فریدی اور حمید کے نام جلی حروف سے شائع کئے گئے تھے۔ قاسم کا بھی تذکرہ تھا جس نے اپنی حکمت عملی سے فریدی کی جان بچانی چاہی تھی۔ لیکن خود جیرالڈ...... وہ اس بار بھی فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا اور دنیا کے لئے ایک عظیم خطرہ بدستور باقی تھا۔ اس پاگل آدمی کا تذکرہ تھا جسے جیرالڈ کے گروہ والے اپنا بادشاہ کہتے تھے لیکن اس کی اصلیت کیا تھی۔ یہ کسی کو بھی نہیں معلوم۔ فیلڈ اور اس کے ساتھی بھی اُس بادشاہ سمیت گرفتار کر لئے گئے تھے۔ مگر سب بیکار۔ ان کا دماغ تو فرار ہی ہو چکا تھا۔ وہ خطرناک انسان جو تیسری بار بھی اپنے خوفناک عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی نئی حرکت کر سکتا تھا۔

اخبارات نے اُس خوفناک چٹان کو ''موت کی چٹان'' کا نام دیا تھا۔ حضرت سلیمان کے گھوڑے کا راز بھی تھا اور اس کے مقصد پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ آخر میں وہ بات بھی جس سے فریدی کی جیرالڈ تک رسائی ہوئی تھی۔ یعنی صمدانی کا قتل...... صمدانی کا قتل جیرالڈ ہی کے آدمیوں نے اس کی پوشیدہ دولت کے لئے کیا تھا۔ جو کئی سو سونے کی اینٹوں پر مشتمل تھی۔

انور اور رشیدہ کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے۔ انہیں کچھ پتہ ہی نہ چل سکا تھا کہ کب کیا ہوگیا۔ قاسم نے پھر شیزان میں ڈیرہ جمایا تھا اور وہ بات بات پر انور کو چھیڑ رہا تھا۔ رشیدہ کو اپنی دلیری کی جھوٹی سچی داستانیں سنا کر کہتا ''وہ تو فریدی صاحب نے روک دیا تھا...... ورنہ میں ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔''

حمید میجر نصرت کے ساتھ تھا...... لیکن فریدی...... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید اس کے اقامتی غار میں بھی گیا تھا لیکن وہ خالی تھا۔ فریدی کا سامان بھی موجود نہیں تھا۔

''تو اب یہ حضرت جیرالڈ کے چکر میں ہیں۔'' حمید نے میجر نصرت سے کہا۔ ''مگر فضول۔ اب کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے گا۔''

''مجھے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔'' میجر نصرت نے کہا۔ ''مگر یہ فیلڈ وغیرہ کا معاملہ

سمجھ میں نہیں آتا...... دوسرے لوگوں کو تو ہم محض اس وجہ سے روک سکتے ہیں کہ وہ ان غاروں سے پکڑے گئے تھے مگر فیلڈ قانونی کاروائیوں کی دھمکی دیتا ہے اور یہ ہے بھی سچی بات۔ اس کے خلاف ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ وہ اپنے پاگل چچا کے علاج کے لئے یہاں آیا تھا۔ ایئر فورس کا ایک آفیسر بھی ہے۔''

''لیکن میں ان لوگوں کی قید میں رہ چکا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''کیا اسے عدالت میں ثابت کرسکو گے۔'' میجر نصرت بولا۔

''نہیں...... فی الحال تو نہیں...... لیکن فریدی صاحب ثبوت ضرور پیش کریں گے۔''

''میرا خیال ہے کہ انہیں فی الحال چھوڑ کر نگرانی میں رکھا جائے۔'' آپریشن روم کے بوڑھے انچارج نے کہا۔

''میں اس کی ہرگز اجازت نہ دوں گا......'' حمید نے آپریشن روم کے انچارج کو گھورتے ہوئے کہا۔ یہ ایک بوڑھا اینگلو انڈین تھا اور اپنے کام کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

''کسی شریف آدمی کو محض شبہے میں روکے رکھنا اچھی بات نہیں۔'' انچارج نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جی ہاں...... وہ شریف اس لئے ہیں کہ آپ کے ہم قوم ہیں۔'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

''براہِ کرم ذاتیات پر حملہ نہ کیجئے۔'' آپریشن روم کا انچارج بھی بگڑ گیا۔

بات بڑھ جاتی لیکن میجر نصرت نے بیچ بچاؤ کرادیا۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے آپریشن روم میں خاموشی چھا گئی۔ انچارج ٹرانسمیٹروں کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ میجر نصرت اور حمید نے پائپ سلگا لئے تھے۔ کہرے کا گہرا سناٹا بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ دفعتاً حمید چونک کر سیدھا ہوگیا تھا اور میجر نصرت اس اچانک تبدیلی پر اُسے گھورنے لگا۔

''میں کہتا ہوں...... فریدی صاحب غلطی کررہے ہیں۔''

''کیوں......؟''

''میں جانتا ہوں کہ جیرالڈ کہاں ہے اور کون ہے''

مشینوں پر بیٹھے ہوئے آپریٹر حمید کی طرف دیکھنے لگے۔

''تو اب تک کیا کرتے رہے۔'' میجر نصرت کے لہجے میں طنز تھا۔ حمید اس کی پرواہ کئے بغیر ٹیلی فون کی طرف جھپٹا۔ دوسرے لمحے میں وہ شیزان ہوٹل کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اس نے انور سے رابطہ قائم کیا۔

''ہیلو انور...... میں حمید بول رہا ہوں...... کیا مورگن ہوٹل میں موجود ہے۔ خوب...... اچھا تو اسے نگرانی میں رکھو...... ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔''

وہ ریسیور رکھ کر میجر نصرت کی طرف مڑا...... اور اس نے مورگن کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ میجر نصرت تھوڑی دیر کے لئے کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

''بھئی میں کس طرح یقین کرلوں کہ وہ جیرالڈ ہی ہے۔ ابھی فیلڈ وغیرہ ہی کا معاملہ نہیں صاف ہوا۔''

''آپ فکر نہ کیجئے۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''اگر وہ جیرالڈ نہ ہوا تب بھی ہمارے پاس اس کی گرفتاری کے معقول وجوہ ہوں گے۔ وہ ناجائز اسلحہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ ایک سب مشین گن رکھنا معمولی جرم نہیں ہے۔''

''یہ تو ٹھیک ہے۔'' آپریشن روم کا انچارج بولا۔ ''گرفتاری کے لئے معقول وجہ ہے ممکن ہے وہ جیرالڈ ہی ہو۔''

تھوڑی دیر کی بحث و تکرار کے بعد میجر نصرت تیار ہو گیا۔

''کیا ریڈیو کار ساتھ ہوگی۔'' آپریشن روم کے انچارج نے پوچھا۔

''کیا ضرورت ہے۔'' میجر نصرت نے لاپروائی سے کہا۔

''ضرورت ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''یہ سوچ کر چلئے کہ آپ جیرالڈ ہی کے لئے نکلے ہیں اگر وہ نکل گیا تو پھر ہم ریڈیو کار کے بغیر ہیڈ کوارٹر سے فوراً ہی رابطہ قائم نہ کر سکیں گے۔''

آخر آپریشن روم کے انچارج نے ریڈیو کار سنبھالی اور وہ شیزان ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ ان کے ساتھ مسلح سپاہیوں کی کثیر تعداد تھی۔

شیزان ہوٹل کا محاصرہ کرلیا گیا۔ میجر نصرت اور حمید چند دوسرے آفیسروں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ حمید اوپری منزل پر جانے کے لئے ان کی رہنمائی کررہا تھا۔ ہوٹل کا منیجر تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔

''ہمیں ایک مجرم کی تلاش ہے۔'' میجر نصرت نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

پھر وہ سب مورگن کے کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ کمرہ اندر سے بند تھا۔ حمید نے دستک دی۔

دروازہ کھلا...... مورگن سامنے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ......'' حمید گرج کر بولا۔

''کیا یہ ضروری ہے۔'' مورگن کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ تھی۔

''تمہارے پاس ناجائز اسلحہ ہے۔'' حمید بولا۔

''اچھا تو پھر......!'' مورگن کی مسکراہٹ بدستور قائم رہی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کسی دلچسپ مذاق سے لطف اندوز ہورہا ہو۔ لیکن اب اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے تھے۔ حمید اُسے دھکا دیتا ہوا کمرے میں گھسا اور اس نے وہی سوٹ کیس کھول ڈالا جس میں اس سے قبل اس نے مشین گن دیکھی تھی۔ مشین گن موجود تھی اس نے فاتحانہ قہقہہ لگایا۔

''یہ کیا ہے......؟'' اس نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

''ایک سب مشین گن کی نقل۔'' مورگن لاپرواہی سے بولا۔ ''میں مداری ہوں اور یہ ایک کھلونا ہے۔ جسے میرا پالتو طوطا تماشائیوں کے مجمعے پر چلاتا ہے اور یہ ساری کی ساری لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں ہلکی معلوم نہیں ہوتی۔''

وہ واقعی بہت ہلکی تھی۔ حمید کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

''طوطے کا پنجرہ اُدھر میز کی اوٹ میں رکھا ہوا تھا۔ میرے پاس بازی گری کا اور بہت سارا سامان بھی موجود ہے۔ جو تلاشی لینے پر بہ آسانی دستیاب ہوسکتا ہے۔'' مورگن کے لہجے

میں تمسخر تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں ایک پیشہ ور مداری ہوں اور آپ کے شہر کی اونچی سوسائٹیوں میں بہت عرصہ سے اپنے کرتب دکھا رہا ہوں۔ میں آپ کو دو چار پتے دے سکتا ہوں۔ آپ ان سے دریافت کر لیجئے۔''

جلدی جلدی کمرے کی تلاشی لی گئی اور جیسا کہ مورگن نے کہا تھا شعبدہ بازی کے سامان کے علاوہ اور کچھ بھی نہ نکلا۔ اس دوران ایک آفیسر اس مشین گن کو چاقو سے چھیلنے لگا تھا۔ وہ سچ مچ لکڑی ہی کی ثابت ہوئی۔ آفیسروں نے اپنے ریوالور جیب میں ڈال لئے...... میجر نصرت حمید کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔

آپریشن روم کے انچارج کا قہقہہ سب سے زیادہ تیز اور بلند تھا۔

''آپ کو بہت ہنسی آ رہی ہے۔'' مورگن نے اس سے کہا۔ ''یقیناً آپ میرے دوسرے کرتب دیکھ کر بہت زیادہ محفوظ ہوں گے۔''

اچانک مورگن نے اپنی پتلون کی جیبوں سے دو ریوالور نکال لئے۔ ایک کا رخ پولیس آفیسروں کی طرف تھا اور دوسرے کا آپریشن روم کے انچارج کی طرف۔

''آپ سب براہِ کرم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیجئے۔ یہ ریوالور نقلی نہیں ہیں۔'' مورگن نے کہا۔

''اب آپ جھک ماریئے۔'' حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ ''میں تو اُلو تھا۔''

''تم اب بھی اُلو ہو۔'' پھر اس نے آپریشن روم کے انچارج سے کہا۔ ''کیا تم اپنا سیاہ چشمہ نہیں اتارو گے۔''

آپریشن روم کا انچارج بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھاگنا چاہتا ہو۔

دفعتاً مورگن کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا...... گولی آپریشن روم کے انچارج کی ران میں لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا...... قبل اس کے کہ آفیسر ہوش میں آتے انہیں فریدی کی آواز سنائی دی۔

''کوئی حماقت نہ ہو...... یہ جیرالڈ ہے۔''

آپریشن روم کے انچارج نے پھر اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس بار حمید اس پر ٹوٹ

پڑا۔ لوگ حیرت زدہ کھڑے مورگن کو گھور رہے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر سے پلاسٹک کا ایک خول سا اتار دیا۔ اب ان کے سامنے فریدی کھڑا تھا۔

اس نے حمید کو الگ کر کے جیرالڈ کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور بولا۔ ''تم طاقت کے پجاری ضرور ہو لیکن حقیقتاً تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تم فریدی کے جسم و دماغ سے ٹکرا سکو۔ جب تمہارا ذہن جواب دے جائے تو تم یہی سمجھو کہ تم ایک کیچوے سے بھی زیادہ حقیر ہو۔ پچھلی بار تم نے مجھے ایک چوہے کی طرح بند کیا تھا اور آج میں تمہیں ایک چیونٹی کی طرح مسل رہا ہوں۔ میں نے پچھلی ہی رات کو تمہیں پہچان لیا تھا جب تم آپریشن روم سے میری کامیابی سے متعلق خبریں نشر کر رہے تھے۔ تم نے ایک بار بے خیالی میں عینک اتار کر اپنی آنکھیں صاف کی تھیں اور میرے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ جیرالڈ میں تمہیں کھلا کھلا کر مارنا چاہتا تھا تا کہ تم مرنے سے پہلے کم از کم ایک ہی بار خود کو حقیر محسوس کر سکو مگر میرے گدھے حمید نے جلد بازی سے کام لیا۔''

''لیکن یہ سال ہا سال سے......'' میجر نصرت ہکلایا۔

''میں جانتا ہوں......!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''سال ہا سال والا انچارج دوسری دنیا میں پہنچ چکا ہے۔ غالباً اس کی آنکھیں ایسی تھیں کہ وہ روشنی میں تاریک چشمہ لگائے بغیر کام نہیں کر سکتا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایک آفیسر بولا۔

جیرالڈ نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ یہ بے چارہ بھیس تو بدل سکتا ہے لیکن اپنی مخصوص قسم کی آنکھوں کو کسی طرح نہیں چھپا سکتا۔ کیوں جیرالڈ؟

جیرالڈ کچھ نہیں بولا۔ اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ لیکن وہ ایک ہی پیر پر تنا کھڑا تھا...... اچانک وہ اپنا سینہ کھجانے لگا اور پھر ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ کئی چیخیں بلند ہوئیں پھر جنہیں ہوش رہ گیا انہوں نے جیرالڈ کے سینے کی جگہ ایک بہت بڑا غار دیکھا۔ فریدی دوسری طرف فرش پر پڑا ہاتھ پیر مار رہا تھا اور اس کا سارا جسم خون سے تر ہوتا جا رہا تھا۔ کئی آفیسروں کے جسموں اور چہروں پر بھی خون نظر آ رہا تھا۔ حمید کا داہنا ہاتھ جھلس گیا تھا۔

دوسرے دن ہسپتال میں ملک کی معزز ہستیاں فریدی کے بستر کے گرد اکٹھا تھیں۔ فریدی کا پورا جسم پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس کے چہرے پر نقاہت کے آثار نہیں تھے۔ وہ کہہ رہا تھا ''انتہائی چالاکیوں کے باوجود بھی وہ دھوکہ کھا گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے سینے میں ایک چھوٹا سا بم چھپائے ہوئے ہے۔ کھجلانے کے بہانے اس نے اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا تھا۔

''لیکن تم نے یہ خطرہ کیوں ناحق مول لیا تھا۔'' اس کے ڈی۔آئی۔جی نے کہا جو آج ہی بذریعہ ہوائی جہاز رام گڑھ پہنچا تھا۔

''آپ میری افتادِ طبع سے بخوبی واقف ہیں۔ میں ڈرامائی انداز میں کام کرنے کا عادی ہوں لیکن اس پر جب بھی اور جہاں بھی ہاتھ ڈالا جاتا وہ یہی کرتا...... بم ساتھ لئے پھرنے کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی مایوس ہو چکا تھا اور اُسے یقین تھا کہ اب وہ خطرے میں ہے۔ اگر میں اسے آپریشن روم میں بھی گرفتار کرتا تو نتیجہ یہی ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کسی قیدی کو اس کا جسم کھجانے سے تو باز نہیں رکھ سکتے۔''

''لیکن تمہاری موجودہ حالت کتنی تشویش ناک ہے۔'' ڈی۔آئی۔جی نے بزرگانہ انداز میں کہا۔

''اوہ...... آپ اس کی فکر نہ کیجئے...... جب تک میری قوت ارادی برقرار رہے، میں مر نہیں سکتا۔''

''اچھا اب تم آرام کرو......'' ڈی آئی جی نے کہا۔

''ٹھہریئے۔'' فریدی اپنا پٹیوں سے ڈھکا ہوا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس سلسلے کی سب سے اہم اور دلچسپ کڑی تو رہ ہی گئی۔''

وہ سب توجہ اور دلچسپی سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

فریدی نے میجر نصرت کو مخاطب کر کے کہا۔ ''کیا آپ نے اس دیوانے کی ڈاڑھی اور مونچھیں صاف کرا دیں۔''

''ہاں......وہ تو کل ہی......لیکن......!''

''ٹھہریئے۔'' فریدی تکیئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ایک تصویر نکال کر اس کے سامنے ڈال دی۔

''یہ تو اسی کی تصویر ہے۔'' میجر نصرت نے کہا۔

''اور آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟''

''نہیں......!''

''یہ سجاد صمدانی ہے۔''

''کیا......؟'' وہ سب بیک وقت بولے۔

''جی ہاں......وہ سالہا سال سے ان لوگوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے کسی طرح سے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا......اور وہ اپنی پچھلی شخصیت بھول گیا تھا لیکن دستخط سجاد صمدانی ہی کے کرتا تھا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں۔ وہ اپنے وہی پرانے دستخط کرتا تھا لیکن اس غریب کو نام تک یاد نہیں تھا۔ اس طرح جیرالڈ اس کے کاروبار پر قابض تھا۔ سجاد کے ملازمین اپنے سجاد کی جھک سمجھتے تھے کہ وہ تین سال سے ان کے سامنے نہیں آیا۔ بہر حال اس کے دستخط اصلی تھے اور انہیں دستخطوں کی بناء پر سجاد صمدانی کی دولت جیرالڈ کے ہاتھ لگتی رہتی تھی اور صمدانی کے قتل سے اس نے بہت بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اب صمدانی کا کاروبار بھی سجاد کی ہی طرف منتقل ہو جائے گا۔ میں نے کیس کے دوران کئی بار یہ بات دوسروں کے سامنے بھی رکھی تھی کہ اگر مجرم سونے کی اینٹیں ہی حاصل کرنا چاہتے تھے تو صمدانی کو اتنے پراسرار طریقے پر قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے خدا! اب میں سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ اگر صمدانی کی سیکریٹری کی طرف سے مسٹر براؤن کے نام خط روانہ کرنے کی حماقت سرزد نہ ہوتی تو ہم اب تک تاریکی ہی میں سر مارتے نظر آتے۔ پھر میں نے میجر نصرت کو اس تار کے متعلق فون کیا۔ ظاہر ہے جیرالڈ آپریشن روم کا انچارج تھا۔ اسے میری اس کال کی اطلاع ملی اور اس نے اپنی پہلی ہی فرصت میں صمدانی کی سیکریٹری کو قتل کرا دیا جو اس کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔

لیکن اب پولیس کی نظروں میں چڑھ گئی تھی۔''

میجر نصرت نے مورگن کی مصروفیت کے متعلق پوچھا۔

''وہ شروع ہی سے فریدی تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں نے اس کیس کے سلسلے میں بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں ایک انگریز شعبدہ باز کے بھیس میں یہاں کی اونچی سوسائٹیوں میں بھی اٹھتا بیٹھتا رہا ہوں۔ مقصد کسی نہ کسی طرح جیرالڈ تک پہنچنا تھا۔ بہرحال ایک دن حمید کو مجھ پر شبہ ہوگیا اور وہ گدھا میری ہی نگرانی کرنے لگا۔ میں نے سوچا چلو تفریح ہی رہے گی۔ میں اس کی نظروں میں روز بروز پراسرار بنتا گیا اور آخر اس سے یہ حماقت سرزد ہو ہی گئی۔''

فریدی ہنسنے لگا۔ دوسرے بستر پر حمید اکڑوں بیٹھا اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

جیرالڈ کے انجام کی خبر ساری دنیا میں پھیل چکی تھی اور ہر چہار طرف سے حکومت کے نام مبارک بادی کے تار موصول ہو رہے تھے۔

بہرحال ایک ایسے دیوانے کتے کے مرجانے سے کسے خوشی نہ ہوتی جو ساری دنیا پر سائنسی تباہی لانے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔

اس بار فریدی اور حمید کو کرنل اور کیپٹن کے فوجی اعزاز قبول کرنے ہی پڑے جو ایک سرکاری تقریب میں انہیں تفویض کئے گئے تھے۔ اس تقریب میں ملک کی ذمہ دار ہستیاں شریک ہوئی تھیں۔ قاسم کو ایک تمغہ ملا یہ بھی فوجی ہی نوعیت کا تھا لیکن وہ اب بھی اس تگڑی سی عورت کو یاد کر کے اکثر آبدیدہ ہو جاتا تھا۔ جو اُسے جیرالڈ کی زمین دوز دنیا تک لے گئی تھی۔ انور کو شاید ساری زندگی اس کا افسوس رہے کہ فریدی نے اس سے اس کیس میں کوئی کام نہ لیا۔ سجاد صمدانی بہترین ڈاکٹروں کے زیر علاج ہے۔ لیکن کسی کو بھی توقع نہیں کہ وہ کبھی اچھا ہو سکے گا۔

ختم شد